جلد ۳۸	ماہ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء	عدد ۴

مضامین

شذرات

دارالمصنفین میں ایک مفصل و مبسوط تاریخ اسلام کی تالیف کا خیال شروع سے تھا، پانچ چھ برس ہوئے کو مختلف رفقاء کو اس تاریخ کی مختلف جلدیں حوالہ کی گئیں، انھون نے اس مدت میں اپنے اپنے دور کی تاریخ کا مطالعہ کیا، واقعات کی تلاش و تحقیق کی، اور بڑی بڑی سلطنتون سے لیکر چھوٹی چھوٹی ریاستون تک کا پتہ لگایا، اور دو دو جلدون مین مشرقی، مغربی اور ترکی سلطنتون کی تاریخیں مرتب کیں، اور اب موجودہ اندازے کے مطابق یہ تاریخ چھ ضخیم جلدوں میں تمام ہوگی، اس کی چھپائی کا کام امید ہے کہ آئندہ سال سے شروع ہو جائے،

ہمارے حکیم شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک نیا ادبی معجزہ ضربِ کلیم کے نام سے ظاہر ہوا ہے، اس مین موصوف کی وہ تازہ اردو نظمین ہیں جن میں اسلام کے نقطۂ نظر سے زمانۂ موجودہ کے خیالات پر تبصرہ کیا گیا ہے، لیکن معلوم نہین کہ یہ حضرت کلیم کی وہ ضرب ہے جو بحرِ احمر پر پڑی تھی جس سے دریا پھٹ گیا تھا، اور اس سے ایک قوم آزاد اور دوسری برباد ہوئی تھی، یا وہ ضرب ہے جو وادیٔ تیہ کی ایک چٹان پر پڑی تھی جس سے پانی کی بارہ دھاریں بنی اسرائیل کے پیاسون کے لئے پھوٹی تھین، بہرحال ان دونین سے جو ہو وہ ہمارے لئے فالِ نیک ہی ہے،

حضرت اقبال کی شاعری، اب شاعری کے حدود سے نکل کر خالص حکمت کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ چکی ہے اور اِنّ مِنَ الشّعرِ لحکمۃ کے خلعتِ نبوی سے سرفراز ہو چکی ہے، اب ان کی شاعری مین جذبات کا سراب نہین، بلکہ عقل و حکمت کا چشمۂ حیات ہے، اب وہ لطف و لذت نہین، بلکہ بصیرت اور موعظت ہے، وہ مسلمانون کو اب ان کے بزرگون کا تاریخی پیغام سنانے کے لئے نہیں، بلکہ ان کو قومون کے عروج و زوال کا فلسفہ سمجھانے کیلئے ہے، وہ اب میدانِ جنگ کا رجز یا مسافرانِ راہ کے لئے بانگِ درا نہین، بلکہ وہ غور و فکر کے غارِ حرا سے ناموسِ اکبر کی آواز، اور جبریلِ امین کا پیام ہے،

آج کل یورپ سے چند نئی کتابیں چھپ کر شائع ہوئی ہین، مثلاً روما سے ابو حاتم رازی کی منتخب اعلامِ النبوۃ، پیرس سے بیرونی کا رسالہ محمد بن زکریا رازی کی فہرستِ کتب مین، اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا فارسی رسالہ آوازِ پرِ جبریل، اسی طرح برلن سے متکلمین کے جزء لایتجزیٰ پر جرمن مین ڈاکٹر پینیس (PENES) کا مقالہ اور پیرس سے شہر کوفہ کے نقشہ اور تشریحات پر پروفیسر میسنیون کا مقالہ فرنچ مین،

امسال مرحوم مارماڈیوک پکتھال کے علاوہ جن کو ہم سب جانتے تھے، کئی نامور مستشرقین نے وفات پائی، اٹلی کے پرنس کائتانی اور پروفیسر گویدی اور لائڈن کے پروفیسر اسنوک ہرخرونئے نے امسال ہماری دنیا کو الوداع کہا، پرنس کائتانی تاریخِ اسلام کے عالم، اور گویدی عربون کے ریاضیات اور جغرافیہ کے ماہر اور اسنوک ہرخرونئے، "محمڈنزم" نامی کتاب کے مصنف ہین، جس کو انھون نے خطبہ کی صورت مین امریکہ کی مجلسِ تاریخِ مذاہب مین پیش کیا تھا، اور بھی دوسری کتابین اور مضامین ان کے قلم سے نکلے تھے،

مصر میں جب سے شیخ مصطفےٰ مراغی نے ازہر کی عنانِ مشیخت اپنے ہاتھ مین لی ہے وہان بہت سی اصلاحات وجود مین آئی ہین، اب ازہر پرانا مدرسہ نہیں رہا، بلکہ یورپ کے طرز کی یونیورسٹی بن رہا ہے، اس وقت وہان کی اعلیٰ تعلیم تین کالجون پر منقسم ہے، عربی زباندانی کا کالج (کلیۃ اللغۃ العربیۃ) مذہبی عقائد کا کالج (کلیۃ اصول الدین) اور فقہی علوم کا کالج (کلیۃ الشریعۃ) ہر ایک کی تعلیم کی مدت چار سال ہے، اس کے بعد تخصص، یعنی خاص خاص علوم مین تکمیل کے درجے ہین، پہلے کالج مین تکمیل کے دو شعبے ہین، نحو و قواعد اور بلاغت، دوسرے کالج مین اس کے چار شعبے ہین، دعوت و تبلیغ وارشاد، توحید و کلام، علوم قرآن و حدیث اور تاریخِ اسلام، تیسرے کالج کے دو تکمیلی شعبے ہین، قضائے شرعی، اور فقہ و اصول، معلوم نہین اس نئے قالب مین دینداری کی پرانی روح بھی رہی یا نہین،

آجکل مصر مین قرآن پاک کے ترجمہ پر بڑے جھگڑے برپا ہین، ایک فریق اس کو ناجائز کہتا ہے، اور دوسرا اسکو واجب بتاتا ہے، اس پر فریقین نے رسائل اور مضامین لکھے ہین، خدا رحمت بھیجے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان پر کہ انھون نے فارسی اور ہندستانی میں قرآن پاک کا ترجمہ فرما کر ہندوستان کے مولویوں کو اس جھگڑے سے بچا لیا

ورنہ عجب نہیں کہ یہاں جواز و عدم جواز سے بڑھ کر شاید کفر و اسلام کا معیار قرار پا جاتا،

مولانا شبلیؒ و مولانا حمید الدینؒ کے فتواے تکفیر پر دستخط کرنے والون مین دوسری اہم شخصیت جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تھی، موصوف نے حقیقتِ حال سننے اور مولانا شبلی کی آخری تحریر دیکھنے کے بعد اپنے فتوے سے رجوع فرمایا، مولانا حمید الدین صاحب کے دونون فقرون کے متعلق فرماتے ہین کہ ان کو زیادہ سے زیادہ نقص تعبیر یا سماجت بیان کہہ سکتے ہین، ان سے کفر لازم نہین آتا، ان کی پوری تحریر اخبار صدق لکھنؤ مین چھپی ہے، مولوی محمد طیب صاحب دیوبندی نے بھی رجوع کیا، انھون نے اپنا خط مدینہ بجنور مین چھپوایا ہے، اسی طرح مولوی لطف اللہ صاحب شاہجہانپوری مدرس زکریا مسجد بمبئی نے بھی رجوع فرمایا، اُن کا خط اصلاح سرائے میر مین چھپا ہے، فالحمد للہ،

افسوس کہ اس مہینہ مولوی نور الحسن صاحب نیّر (بی اے ال ال بی) خلف حضرت محسنؒ کاکوروی نے ایک مدت کی علالت کے بعد وفات پائی، وہ انگریزی کیساتھ عربی کے بھی عالم تھے، ندوۃ العلماء کے ممتاز رکن، اور دار العلوم کے سابق معتمد تھے، وہ سخنور، سخن سنج، سخن شناس، سخندان سب کچھ تھے، ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ اردو لغت نور اللغات کی تالیف ہے، خدا ہمارے اس ادیب شاعر کو اپنی رحمت کے انعام و اکرام و صلہ سے سرفراز فرمائے،

ہمارے دوست کشن پرشاد کول نے ہندوستانی مین ہندی اردو پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، وہ چاہتے ہین کہ ہندی اور اردو دونون کے لئے الگ الگ ترقی کی راہین کھلی رہین، اور ملک کی سرکاری تعلیمی اور عام صوبجاتی زبان انگریزی قائم رہے، پہلی تجویز تو وہی ہے جس کا زمانہ اپنے اصول کے مطابق پہلے ہی فیصلہ کر چکا ہے کہ نہ اردو ہندی کو مٹا سکتی ہے نہ ہندی اردو کو، اور دونوں اپنی اپنی راہ چلتی رہینگی، لیکن دوسری تجویز ایک سیاسی اہل الرائے کی دور بینی سے بہت دور ہے، اس عارضی زبان کی عالمگیری تو اسی وقت تک ہے جبتک اسکی شہنشاہی کا چتر آپکے سر پر سایہ فگن ہے، کیا آج اکبر اور عالمگیر کی فارسی شہنشاہی قائم ہے؟ تو پھر کل کیلئے انگریزی کی شہنشاہی کا تصور آپ کیونکر کر سکتے ہین، حکمران قوم کی زبانی حکمرانی، انکی شاہی حکمرانی کیساتھ ہے، امریکہ کی مثال نہ پیش کیجئے کہ وہ پنچ میل قوم پہلے سے نہ اپنا کوئی تمدن رکھتی تھی، نہ قومیت نہ جنسیت نہ زبان

مقالات

تابعین

اور اُن کے علمی اور مذہبی کارنامے،

از شاہ معین الدین احمد ندوی

تم دنیا کے کسی مذہب کی تاریخ پر نظر ڈالو تو تم کو اس کے ابتدائی ابواب علمی نمونون سے خالی نظر آئین گے، تمام مذاہبِ عالم مین یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے دورِ تاسیس ہی میں اپنے پیرون کی ایسی جماعت پیدا کر دی تھی، جو اسلامی تعلیمات کا مجسم پیکر تھی، جس کے آئینۂ عمل مین اس کے ایک ایک خط و خال نمایاں تھے، یہ جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی، جو آنحضرت صلعم کے بعد تعلیماتِ اسلامی کی حامل اور دینی علوم کی وارث ہوئی،

پھر یہ سلسلہ صحابہ پر تمام نہین ہوگیا، بلکہ اسلام کی سحر آفرین روحانیت کے اثر سے کئی پشتون تک اسی زور و قوت کے ساتھ قائم رہا، جنھین ہم اصطلاح مین "تابعین" اور "تبع تابعین" کے نام سے تعبیر کرتے ہین، قرآن نے برسون پہلے اس مقدس طبقہ کا تعارف کرا دیا تھا، کہ وہ مہاجرین و انصار کے نقشِ قدم پر ہوگی، اور رضوانِ الٰہی کے طغراے امتیاز سے سرفراز ہوگی،

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ

اور مہاجرین و انصار میں جن لوگوں نے قبولِ اسلام میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے اور جو لوگ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتِ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ (توبہ) — خوبی کے ساتھ ان کے پیچھے ہوئے، خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش ہیں، خدا نے ان کیلئے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں،

احادیث میں اس سے زیادہ اور صریح الفاظ میں ان کو "خیر" کے لفظ سے یاد فرمایا گیا ہے،

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم — زمانوں میں سے سب سے اچھا میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہونگے، پھر وہ لوگ جو انکے بعد ہونگے،

یعنی اسلام کے تین طبقات یا تین عہد زریں ہیں، جنمیں مسلمانوں کے عملی قوی پورے شباب پر ہونگے، ان میں ہمارا موضوعِ بحث تابعین کا طبقہ ہے، جس نے صحابۂ کرام سے علمی اور روحانی فیض حاصل کرکے اس کو سارے عالم میں پھیلایا،

تابعی کی تعریف

صحابہ کی طرح تابعین کی تعریف میں بھی علماء کا اختلاف ہے، بعضوں کے نزدیک تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت اٹھائی ہو، بعض صحبت اور ہم نشینی کو بھی ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ صرف صحابی کی رویت کو کافی سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت تابعی وہ ہے جو کسی صحابی کی صحبت اور اس کے کمالات سے فیضیاب ہوا ہو، اور اسی میں کمی یا زیادتی اور زمانۂ نبوت سے قرب و بعد کے اعتبار سے تابعین کے طبقات قائم کئے گئے ہیں،

جماعتِ تابعین اور عہدِ تابعین میں فرق

تابعین صحابۂ کرام کے دامنِ فیض کے تربیت یافتہ تھے، اس لئے علمی و اخلاقی کمالات میں ان کا عکس و پرتو تھے، لیکن اس موقع پر ایک فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ جماعتِ تابعین اور عہدِ تابعین دونوں میں بڑا فرق ہے، شرفِ صحبت اور اس کے آثار کو چھوڑ کر مذہبی روح کے اعتبار سے تابعین اور صحابہ میں بہت کم فرق تھا، جو فرق تھا بھی وہ تابعیت کے نقص و کمال کے اعتبار سے تھا، اور یہ فرق وہ ہے جس سے جماعتِ صحابہ بھی مستثنیٰ نہ تھی، مہاجرین رضو و انصار رضو اور فتحِ مکہ

کے بعد مؤلفۃ القلوب صحابہ میں علانیہ فرق نظر آتا ہے، اس کے مقابلہ میں دورِ تابعین میں عہدِ رسالت کے بُعد، دولت کی فراوانی، غیر اسلامی تمدن کی اشاعت اور غیر قوموں کے میل جول سے یہ دور بہت کچھ بدل گیا تھا، اور بیرونی اقوام کے اثرات سے عہدِ صحابہ کی سادگی ختم ہوگئی تھی، لیکن تابعین کی جماعت اس سے اثر پذیر نہ ہوئی، بلکہ اسلام کی امانتوں کو محفوظ رکھکر اسکو ساری دنیا میں تقسیم کیا،

جہانتک خالص دینِ اسلام کا تعلق ہے، عہدِ نبوی میں مکمل ہوچکا تھا، آنحضرت صلعم نے اس کی ایک ایک تعلیم کو برت کر دکھایا تھا، اور صحابہ نے اُسے جان لیا تھا، پہچان لیا تھا، اور عمل کرکے دکھا دیا تھا، اور الیوم اکملت لکم دینکم کی مہرِ تکمیل کے بعد اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجایش نہ تھی، لیکن اس کے جزئیات، تفصیلات اور متعلقات میں ترقی کی بڑی وسعت تھی جو تابعین کے ہاتھوں مکمل ہوئی، انھوں نے جزئیاتِ مسائل کا استقصار کیا، علوم دینیہ کی بنیاد رکھی، نئے علوم پیدا کئے، اسلام کی اشاعت کی، مذہبی علوم کو پھیلایا اور اس قبیل کے بہت سے کام کئے جو عہدِ صحابہ میں تشنۂ تکمیل رہ گئے تھے،

ان کا سب سے بڑا کارنامہ دینی علوم کی خدمت، اس کی حفاظت و اشاعت ہے اس لئے سب سے اول ہم اسی کو پیش کرتے ہیں، انھوں نے بڑی جانکاہ مشقتیں اٹھاکر دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چُنکر علم کا خرمن جمع کیا، اگر وہ اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں کرکے علم کو محفوظ نہ کرتے تو دینی علوم کا بڑا حصہ برباد ہوجاتا، آج ہمارے پاس ان کا جو کچھ ذخیرہ ہے، وہ سب تابعین ہی جانکاہیوں کا طفیل ہے، اس مختصر مضمون میں اس پر تفصیلی بحث کی گنجایش نہیں، اس لئے صرف اجمال اور سرسری تبصرہ پر اکتفا کیجاتی ہے،

عہدِ تابعین میں حصولِ تعلیم کی دشواریاں

جب ہم اس عہد کے تعلیمی نظام اور حصولِ تعلیم کی دشواریوں پر نظر ڈالتے ہیں تو تابعین کے خدمات کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس زمانہ میں آجکل کی طرح تعلیم و تعلم کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، نہ یہ سہولتیں میسر تھیں اور نہ تعلیم کے لئے کوئی خاص مقام مخصوص

تھا مکہ، مدینہ، کوفہ اور بصرہ وغیرہ علمی مرکز ضرور تھے، لیکن ان مین سے کوئی مقام ایسا نہ تھا جو علم کے حقیقی جویا کو دوسرے مقامات سے بالکل مستغنی کر دیتا، بلکہ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے سرچشمے ساری دنیاے اسلام مین پھیل گئے تھے، اس لئے ایک شائقِ علم کو خراسان سے لیکر مصر و مغرب تک کی خاک چھاننی پڑتی تھی، دنیاے اسلام مین کوئی مرکزی مقام ایسا نہ تھا جہان صحابہ کی مسندِ علم وارشاد نہ بچھی ہو، مثلاً حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سلمانؓ فارسی، ابو مسعود انصاریؓ، براء بن عازبؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمار بن یاسرؓ، خبابؓ بن ارت وغیرہ اکابر صحابہ زیادہ تر کوفہ مین مقیم تھے، عتبہ بن غزوانؓ، بریدہ بن حصیبؓ، ابو برزہ اسلمیؓ، عمران بن حصینؓ، انسؓ ابن مالک، ثابت بن زیدؓ، ابو بکرہؓ، معقل بن یسارؓ وغیرہ کا مستقر بصرہ تھا، ابو درداء انصاریؓ، بلال حبشیؓ، امیر معاویہ وغیرہ صحابہ کی ایک معتد بہ تعداد شام مین تھی، عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ مصر مین تھے، ابن سعد نے ہر ہر ملک کے صحابہ کے علحدہ علحدہ طبقات لکھے ہین، جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتوحہ ممالک میں سے کوئی ایسا ملک نہ تھا جہان صحابۂ کرام کے قدم نہ پہنچے ہون، تابعین کے عہد مین اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا تھا، صحابہ عموماً مرکزی مقامات پر رہتے تھے اور تابعین تو قریہ قریہ مین پھیل گئے تھے، ایسی حالت میں ایک طالب علم کو مشرق سے لیکر مغرب تک کا دورہ کرنا پڑتا تھا، لیکن یہ دشواریان تابعین کے ذوقِ طلب مین حارج نہ ہو سکین، اور انھون نے دینی علوم کی تحصیل کے لئے ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی،

حصول تعلیم کی راہ میں تابعین کی مشقتین

مکحول دمشقی نے جو بڑے جلیل القدر تابعی ہین تحصیلِ علم کے لئے ساری دنیاے اسلام کا سفر کیا، سب سے پہلے انھون نے مصر مین جو ان کا ابتدائی مستقر تھا علم حاصل کیا، جب یہان کا سارا علم اپنے دامن مین سمیٹ چکے تو مدینہ گئے، یہان سے لعل و گہر لینے کے بعد عراق پہنچے، پھر شام کا سفر کیا، غرض انھون نے دنیاے اسلام کا چپہ چپہ چھان مارا، ان کا خود بیان ہے کہ

مین نے علم کی تلاش مین ساری دنیا کی خاک چھانی[1]، علم کی تحصیل میں بڑی جانکاہ مشقتین اٹھاتے تھے، امام شعبی سے جو بڑے جلیل القدر امام تھے، ایک شخص نے پوچھا آپ نے اتنا علم کہان سے حاصل کیا، انھون نے جواب دیا غم و اندوہ کو بھلا کر، ملک ملک کی خاک چھان کر، گدھون کی قوت برداشت اور کوون کی سحر خیزی پیدا کر کے[2]، پھر تحصیلِ علم کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی، بلکہ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک اس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، صالح بن کیسان نے سن کہولت مین تحصیل علم کی[3]، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور غلام عکرمہ نے کامل چالیس سال طالب علمی کی[4]، قتادہ بچپن سے لیکر مرتے دم تک طالب علم رہے[5]، نافع نے تیس برس حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت مین بسر کر دی[6]،

طلبِ علم کا ذوق ان کے رگ و ریشہ مین ساری تھا امام شعبی کا جنھون نے خود بڑی محنت سے تحصیل علم کی تھی، مسروق بن اجدع کے متعلق بیان ہے کہ مین نے ان سے زیادہ علم کا طالب نہین دیکھا[7]، بحیر خالد بن معدان کے بارہ مین کہتے تھے کہ مین نے ان سے زیادہ علم سے چمٹنے والا نہین دیکھا[8]، امام ذہبی کثیر بن مرہ کے حالات میں لکھتے ہین کہ وہ امام عالم اور بڑے طالب علم تھے[9]، ابن شہاب زہری ہر وقت کتابون کے ڈھیر مین گھرے رہتے تھے، ان کی بیوی تنگ آ کر کہتی تھین کہ یہ کتابین میرے لئے تین سوتون کے جلاپے سے زیادہ ہین، (ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱)

ذوق علم کی وسعت وہمہ گیری

تابعین کا یہ ذوق کسی ایک فن کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ جملہ علوم کے ساتھ یکسان شغف تھا جس کا اندازہ ان کی جامعیت سے ہوتا ہے، ائمہ تابعین بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ جملہ علوم کے امام تھے، سعید بن جبیر، عبداللہ بن عباسؓ کے حلقۂ درس مین شریک

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵، [2] ایضاً ص ۱، [3] ایضاً صفحہ ۱۳۳، [4] ایضاً صفحہ ۸۴،
[5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۰، [6] تذکرۃ الحفاظ اول صفحہ ۸۸، [7] ایضاً صفحہ ۴۳،
[8] تذکرۃ الحفاظ ۱ صفحہ [9] ایضاً صفحہ ۴۴

ہوتے تھے جس میں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، ادب و انشا، شاعری اور جملہ فنون کا دریا بہتا تھا[1]، اس حلقہ میں ہر علم و فن کے سائلین آتے تھے ابن عباسؓ انھیں جو جوابات دیتے تھے ابن جبیر سب کو قلمبند کر لیتے تھے، بعض بعض دن سائلین کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ ابن جبیر کی بیاض پر ہو جاتی تھی اور کپڑوں اور ہتھیلیوں پر لکھنے کی نوبت آجاتی تھی[2]،

ابن شہاب زہری کا ذوق اتنا ہمہ گیر تھا کہ جو کچھ سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے، ابو الزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ صرف حلال و حرام کے مسائل قلمبند کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے[3]، یہی ذوق تھا کہ ان کو جملہ فنون پر یکساں کمال حاصل تھا، جس فن پر وہ گفتگو کرتے تھے وہ ان کا خاص موضوع معلوم ہوتا تھا[4]

تابعین کا علمی درجہ

اس ذوق و طلب نے تابعین کو جملہ فنون میں صاحبِ کمال بنا دیا تھا، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض، مغازی، سیرت کوئی فن ایسا نہ تھا، جس میں بڑے بڑے ائمہ موجود نہ رہے ہوں،

تفسیر

تفسیر میں سب سے زیادہ ممتاز مجاہد بن جبیر کی شخصیت تھی، انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو صحابہ میں قرآن کے سب سے بڑے مفسر تھے، تیس مرتبہ قرآن کا دورہ کیا تھا[5]، اور اس محنت و تحقیق کے ساتھ کہ ہر ایک آیت کے جملہ متعلقات اور ما لہ و ما علیہ کا پورا استقصا کرتے جاتے تھے[6]، دوسرے ممتاز مفسر ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ تھے جن کی انھوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ تعلیم و تربیت کی تھی، خصوصاً تفسیر بڑی محنت سے پڑھائی تھی[7]، تفسیر میں ان کا کوئی حریف نہ تھا، عباس بن مصعب مروزی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے تلامذہ میں عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے[8]، امام شعبی کہتے تھے کہ عکرمہ سے بڑا تفسیر کا جاننے والا کوئی باقی نہیں ہے[9]، قتادہ جو خود بہت بڑے مفسر تھے ان کے کمالِ علم کے معترف تھے[10]، اس

۱؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۰۰ ۲؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹ ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸ ۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۰ ۵؎ ابن سعد ج ۵ ص ۹۰ ۶؎ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳ ۷؎ ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲ ۸؎ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۰ ۹؎ ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲ ۱۰؎ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶،

عہد کے بڑے بڑے فضلاء نے ان سے تفسیر حاصل کی ہے، چنانچہ مجاہد اور ابن جبیر ان سے استفادہ کرتے تھے، تیسرے مفسر سعید بن جبیر تھے، یہ بھی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے[1]، یہ تفسیر کا درس بھی دیتے تھے[2]،

چوتھے بزرگ جابر بن زید تھے، یہ بھی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے تلمیذ رشید تھے، اور شاگرد کے متعلق استاد کی یہ رائے تھی کہ اگر ان کے ہم وطن (بصری) کتاب اللہ کے بارہ میں جابر کا قول اختیار کریں تو قرآن میں ان کا علم نہایت وسیع ہو جائے[3]، پانچویں عالمِ قرآن قتادہ بن دعامہ سدوسی تھے، تفسیر قرآن پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کوئی آیت ایسی نہ تھی جس کے متعلق ان کے کچھ نہ کچھ معلومات نہ رہے ہوں[4]، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے[5]، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے جاننے والے تھے[6]، چھٹے بزرگ حضرت حسن بصری تھے، انھوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن کی تعلیم حاصل کر لی تھی، اور اس محنت اور تلاش و تحقیق کے ساتھ تفسیر پڑھی تھی کہ جب تک ایک سورہ کی تفسیر و تاویل اور شانِ نزول وغیرہ جملہ معلومات کا پورا احاطہ نہ کر لیتے اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے[7]، صاحبِ درس بھی تھے، ان بزرگوں کے علاوہ اور بہت سے مفسرین تھے، لیکن یہ لوگ امتیازی پایہ رکھتے تھے،

تفسیر کی اشاعت حفاظت اور تدوین

ان بزرگوں کے تفسیری کمال سے زیادہ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تفسیر کی حفاظت و اشاعت کی، ان میں ایک آدھ کے علاوہ باقی تمام صاحبِ درس تھے، ان کے حلقۂ درس سے سیکڑوں مفسرین پیدا ہوئے، اس سے بھی بڑی خدمت یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے تفسیر قرآن پر مستقل کتابیں لکھیں جن کا اگرچہ آج کہیں پتہ نہیں ہے، لیکن کتابوں

۱؎ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۴ ۲؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۶ ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸ ۴؎ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹ ۵؎ ایضاً ۶؎ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۵ ۷؎ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۷،

میں ان کا ذکر ملتا ہے، ابن ندیم نے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقرؒ، عکرمہ اور حضرت علیؓ کے ایک رفیق ابو حمزہ کی تفسیروں کا ذکر کیا ہے[1]، گو آج یہ ناپید ہیں، لیکن انہی بنیادوں پر تفسیر کی عمارت قائم ہوئی

حدیث

تفسیر سے زیادہ تابعین کو حدیث کے ساتھ ذوق بلکہ شغف وانہماک تھا، اس فن شریف کو انھوں نے جس ذروۂ کمال تک پہنچایا اس کی تفصیل کیلئے مستقل کتاب چاہیے، تحصیلِ علم کے سلسلہ میں اوپر تابعین کی جن مشقتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زیادہ تر حدیث ہی کی طلب میں تھیں،

حدیث کا ذوق اور اسکی طلب میں شغف وانہماک

سعید بن جبیر ایک ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اور کئی کئی رات کا سفر کرتے تھے[2]، ابو قلابہ جرمی محض ایک حدیث سننے کے لئے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے تھے[3]، ابن شہاب زہری احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے، کمسن مسن، پیر وجوان اور زن ومرد مدینہ کے ہر فرد سے استفادہ کرتے تھے[4]، مکحول نے ساری دنیائے اسلام چھان ڈالی، حدیث میں تابعین کی تلاش وجستجو کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک نہیں سیکڑوں تابعین ایسے ہیں جو دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے محدثین سے روایت کرتے ہیں،

اخذ حدیث میں احتیاط

لیکن اس ذوق وشوق اور تلاش وجستجو میں آنحضرت صلعم کا یہ فرمان ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا کہ جو شخص عمداً میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے گا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے" اس لئے وہ اخذ حدیث اور روایت حدیث دونوں میں بڑے محتاط تھے، اور بغیر پوری چھان بین کے حدیثیں قبول نہ کرتے تھے، عامر بن شراحیل نے یہ اصول بنا دیا تھا کہ علم حدیث اسی شخص سے حاصل کرنا چاہیے جس میں زہد وتقویٰ اور عقل ودانش دونوں اوصاف کا اجتماع ہو، ان میں سے صرف ایک صفت رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا[5]، بہت سے تابعین جب تک اصل راوی سے روایت نہ سن لیتے اس وقت تک دوسرے کے بیان پر اعتماد نہ کرتے ابو العالیہ

---

۱ ابن ندیم ص ۰۰، ۲ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۴، ۳ مسند دارمی ص ۹۴، ۴،۵ تہذیب الاسماء ج اول ق ۱ ص ۹۰

۶ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۳،

راوی کا بیان ہے کہ ہم اہل بصرہ بصرہ میں رسول اللہ ﷺ کی روایات سنتے تھے، مگر اس وقت تک ان پر اعتماد نہ کرتے تھے جب تک مدینہ جا کر خود ان کی زبان سے اس کی تصدیق نہ کر لیتے[1]، محمد بن سیرین کا قول تھا کہ علم حدیث دین ہے اس لئے اسے حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب پرکھ لینا چاہیے[2]،

حفظ حدیث میں تابعین کا درجہ

ان احتیاطوں کا مقصد صرف احادیث کی صحت تھی ورنہ اس کے حصول اور حفظ کی راہ میں تابعین نے جو جو مشقتیں اٹھائی ہیں اس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، انھوں نے اپنی انتھک کوششوں اور جانکاہ محنتوں سے تمام دنیائے اسلام کی حدیثیں اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیں، حسن بصری، ابن جبیر، ابن مسیب، سالم بن عبد اللہ، طاؤس، عامر الشعبی، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، عروہ بن زبیر، عطار بن ابی رباح، عکرمہ، نافع، علقمہ، قتادہ، مجاہد، محمد بن سیرین، محمد بن مسلم زہری، محمد بن منکدر، اور مکحول شامی وغیرہ احادیث کے بحر بے کران تھے، اس میں ان کے علم کی وسعت کا اندازہ اربابِ فن کی ان رایوں سے ہوگا،

حسن بصری کو علامہ ذہبی علم کا سمندر لکھتے ہیں[3]، سالم حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے جو صحابہ میں حدیث کے رکن اعظم تھے، خلف الصدق تھے، علامہ نووی ابن جبیر کو سرگروہ محدثین کے لقب سے ملقب کرتے ہیں[4]، ابن مسیب اس پایہ کے محدث تھے کہ مکحول شامی جنھوں نے ساری دنیائے اسلام کے محدثین سے استفادہ کیا تھا کہتے تھے کہ میں نے ابن مسیب کے جیسا عالم نہیں پایا[5]، امام زین العابدین فرماتے تھے کہ ابن مسیب گذشتہ آثار کے سب سے بڑے عالم تھے[6]، طاؤس کا علم سارے اربابِ علم میں مسلم تھا[7]، امام شعبی نے حجاز، کوفہ، بصرہ، تینوں مرکز احادیث کی حدیثیں اپنے دامن میں سمیٹ لی تھیں[8]، ان کے وسعت علم کا یہ حال تھا کہ کوئی حدیث ان کے حافظہ سے باہر نہ تھی، ان کا خود بیان تھا کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس سے میں بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں[9]، مکحول کہتے تھے کہ میں نے شعبی سے زیادہ سنت ماضیہ کا عالم نہیں دیکھا[10]

---

۱ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۴۲ ۲ ایضاً ص ۱۴۱ ۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۲ ۴ تہذیب الاسماء ج ۱ ق اول ص ۲۱۶ ۵ ایضاً ص ۲۲۰

۶ ابن سعد ج ۵ ص ۹۰ ۷ تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۲۵۱ ۸ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۴ ۹ ایضاً ص ۷۵ ۱۰ ابن سعد ج ۶ ص ۱۰۰،

عروہ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے تھے، حدیث میں حضرت عائشہ کا جو پایہ تھا وہ ارباب علم سے مخفی نہیں ہے، ان کا سارا ذخیرۂ حدیث عروہ نے اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا[۱]، امام زہری انھیں حدیث کا بحر بیکران کہتے تھے[۲]، عطا کے حفظ کے ائمۂ اہلبیت تک جن کے گھر کی دولت حدیث تھی قائل تھے، امام باقر لوگوں کو ان سے احادیث سننے کی ہدایت کرتے تھے[۳]، عکرمہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساختہ و پرداختہ تھے اور ان کی تمام حدیثیں انھوں نے محفوظ کر لی تھیں ابن عباسؓ کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے ان کا بڑا حصہ عکرمہ ہی سے مروی ہے، اس بے پایان علم نے ان کو حدیث کا دریا بنا دیا تھا[۴]، علقمہ دوسرے جلیل صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تربیت یافتہ تھے، اور ان کی مرویات کا بڑا حصہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہون وہ سب علقمہ جانتے ہیں[۵]، قتادہ کو حافظ ذہبی حافظ العلامہ لکھتے ہیں[۶]، ابن مسیب انھیں عراق کا سب سے بڑا محدث مانتے تھے، سفیان ثوری ان کو دنیا میں بے مثل سمجھتے تھے[۷]، محدث ابن حبان انھیں ان کے عہد کا سب سے بڑا حافظ حدیث لکھتے ہیں[۸]، مجاہد کو امام نووی امام الحدیث لکھتے ہیں[۹]، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے بزرگ ان کے حفظ پر رشک کرتے تھے اور فرماتے تھے، کاش عکرمہ کا حفظ بھی تمھارے جیسا ہوتا[۱۰]،

محمد بن سیرین کو امام ذہبی، امام نووی حافظ ابن حجر وغیرہ تمام علمائے فن بالاتفاق امام حدیث لکھتے ہیں، امام زہری کو تلاش حدیث میں جو شغف و انہماک تھا، اس کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ ایک مرتبہ جو چیز سن لیتے تھے وہ ہمیشہ کے لئے نقش کالحجر ہو جاتی تھی[۱۱]، اس ذوق اور حافظہ نے حجاز کے ثقات کا سارا علم ان کے سینہ میں محفوظ کر دیا تھا[۱۲]، بعض روایات کے مطابق ان کے مرویات کی

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۲ [۲] ایضاً [۳] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۳۳۴ [۴] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶ [۵] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۱ [۶] ایضاً ص ۱۰۹ [۷] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۲ ص ۵۷ و ۵۸ [۸] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۰ [۹] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۲ ص ۸۳ [۱۰] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۵ [۱۱] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸ [۱۲] ایضاً ۴۴۹

تعداد دو ہزار تک پہنچتی ہے[۱]، محمد بن منکدر فن حدیث میں اپنے عہد کے امام تھے[۲]، مکحول کے ذوق علم اور انکی تلاش و جستجو کا حال اوپر گذر چکا ہے کہ انھوں نے دنیائے اسلام کا کوئی گوشہ باقی نہیں چھوڑا تھا، اور جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب ان کے حافظہ میں محفوظ تھا[۳]، جس طرح عکرمہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تربیت یافتہ تھے اسی طرح نافع ابن عمرؓ کے ساختہ و پرداختہ تھے، انھوں نے بڑی توجہ سے ان کی تعلیم و تربیت کی تھی، اور اپنا سارا علم ان کے سینہ میں منتقل کر دیا تھا، چنانچہ ابن عمرؓ کی مرویات کا بڑا حصہ جن کا شمار ہزاروں تک پہنچتا ہے، ان کے سینہ میں محفوظ تھا[۴]، اور انہی سے مروی ہے جس کا ثبوت موطا امام مالک ہے، جس کی بیشتر مرویات مالک عن نافع عن ابن عمر پر مشتمل ہیں، حافظ ذہبی نافع کو امام العلم لکھتے ہیں[۵]

روایت حدیث میں احتیاط

لیکن اس وسعت علم کے باوجود تابعین کرام اخذ حدیث کی طرح روایت حدیث میں بھی بڑے محتاط تھے کہ روایت کی ذمہ داری اخذ حدیث کی ذمہ داری سے بھی بڑھ کر ہے، اس میں غلطی کا نتیجہ صرف ایک شخص کی ذات تک محدود رہتا ہے اور روایت میں غلطی اور بے احتیاطی کا نتیجہ عالمگیر ہو جاتا ہے، اس لئے بڑے بڑے ائمہ حدیثیں بیان کرنے میں بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے بلکہ گھبراتے تھے، محمد بن سیرین جب حدیث بیان کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز صاف کر رہے ہیں یا ان پر خوف طاری ہے[۶]، مسعر بن کدام جو بڑے محدث تھے، روایت حدیث کی ذمہ داری اور عظمت کو خیال کر کے فرماتے تھے کہ کاش حدیثیں میرے سر پر شیشے کا بار ہوتیں اور گر کر چور چور ہو جاتیں[۷]، یعنی میرے حافظہ سے محو ہو جاتیں، علقمہ کی علالت کے زمانہ میں ایک شخص نے خواہش کی کہ آپ اس وقت تھوڑی دیر ہم کو سنت کی تعلیم دیتے، آپ نے فرمایا کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میری پیٹھ روندی جائے[۸]، سلیمان بن طرخان تیمی اتنے محتاط تھے کہ حدیث بیان کرتے وقت ان کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا[۹]، ابراہیم نخعی روایت میں آنحضرت صلعم

[۱] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۲ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳ [۳] ایضاً ص ۹۵ [۴] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۱ [۵] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۷ [۶] ابن سعد ج ۷ ق ۱ ص ۱۴۱ [۷] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۰ [۸] ابن سعد ج ۶ ص ۶۰ [۹] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۵

کی طرف نسبت نہیں کرتے تھے، ایک شخص نے ان سے پوچھا کیا آپ کو رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے جسے آپ بیان کریں، جواب دیا پہنچی کیون نہین ہے، لیکن عمرؓ، عبداللہؓ، علقمہ اور اسود سے روایت کرنا میرے لئے آسان ہے[1]، امام شعبی اشاعت حدیث کے خیال سے ایک زمانہ میں بے تکلف حدیثین بیان کیا کرتے تھے، لیکن پھر زمانہ کا رنگ دیکھ کر انھین کہنا پڑا، کہ گذشتہ صلحا کثرت روایت کو برا سمجھتے تھے، جو حقیقت مجھ پر بعد کو کھلی اگر پہلے منکشف ہوجاتی تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثین بیان کرتا[2]، عبداللہ بن عون روایت کرنے سے اتنا گھبراتے تھے کہ اس کے خوف سے گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا[3]، اسی احتیاط کی بنا پر بہت سے تابعین احادیث کو بالفاظہا روایت کرنا ضروری سمجھتے تھے، بعض ردوبدل کے خیال سے حدیثون کو قلمبند کر لیتے تھے[4] بعض کا عمل اس کے خلاف تھا کہ غلط روایت کے قلمبند ہو جانے سے اسکی غلطی اور زیادہ متعدی اور پائدار ہو جاتی تھی، غرض تابعین نے حدیث مین احتیاط اور اس کی صحت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا،

اشاعت وحفاظت حدیث لیکن ان احتیاطون کے ساتھ حدیثون کی اشاعت بھی ایک ضروری فرض تھا، ورنہ مسلمان بہت سے مسائل اور دینی احکام سے بے خبر رہ جاتے اور حدیث رسول کا بڑا حصہ محض سینون مین محفوظ رہ کر رہ جاتا، تابعین کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے احادیث کی صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ انکو ساری دنیائے اسلام مین پھیلایا، سعید بن جبیر کا قول تھا کہ مجھے تم لوگون کو حدیثین سنانا اس کے مقابلہ مین زیادہ پسند ہے کہ انھیں اپنے ساتھ قبر مین لیجاؤن[5]،

پہلا طریقہ درس حدیث انھون نے اس کی اشاعت اور حفاظت مختلف طریقون سے کی، سب سے عام اور متعارف طریقہ درس کا تھا، اکثر بڑے بڑے علماء محدثین کے حلقہائے درس ہوتے تھے، جس سے ساری دنیائے اسلام کے طلبہ استفادہ کرتے تھے، اگرچہ ان حلقون مین زیادہ تر حدیث ہی کا درس ہوتا تھا، لیکن چونکہ وہ تنہا حدیث کے لئے مخصوص نہ تھے، بلکہ ان مین دوسرے علوم کی بھی تعلیم ہوتی تھی، اس لئے ہم آئندہ ان کے

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷، [3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵ [4] ایضاً ج ۶ ص ۱۸۰،

مستقل حالات لکھین گے،

دوسرا طریقہ کتابت حدیث دوسرا طریقہ کتابت کا تھا، اس سے ہمیشہ کے لئے حدیثین محفوظ ہوجاتی تھین، اگرچہ اس عہد کے علماء عموماً کتابت پسند نہ کرتے تھے، پھر بھی تابعین کی ایک معتدبہ تعداد حدیثین قلمبند کرتی تھی،

سعید بن جبیر جو بڑے محتاط تھے حدیثین قلمبند کرتے تھے[1]، ابو قلابہ اپنے جملہ معلومات (جن مین احادیث بھی داخل تھین) قلمبند کرتے تھے[2]، امام زہری کو لکھنے سے بڑا شغف تھا، وہ جو کچھ سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے ابو الزناد کا بیان ہے کہ ہم زہری کے ساتھ علماء کے آستانون کا چکر لگاتے تھے، زہری کے ساتھ تختیان اور بیاضین ہوتی تھین، وہ جو کچھ سنتے تھے سب کو قلمبند کر لیتے تھے[3]، ان کے دوسرے ساتھی صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ زہری نے ایک مرتبہ کہا کہ ہم کو سنن رسول قلمبند کر لینا چاہئے، ان کے کہنے پر ہم لوگون نے اس کو لکھ لیا اس کے بعد انھون نے کہا اب سنن صحابہ کو بھی لکھ لینا چاہئے، لیکن اسے ہم لوگون نے نہین لکھا، مگر انھون نے لکھ لیا[4]، بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیثین سنتے تھے ان کو لکھ لیتے تھے، نافع اپنے تلامذہ کو حدیثین لکھواتے تھے[5]، رجاء بن حیوۃ حدیثین قلمبند کرتے تھے[6] انکے علاوہ اور بہت سے تابعین حدیثین قلمبند کرتے تھے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے،

حدیثون کے مجموعے ان کے ذوق کتابت سے اسی زمانہ مین حدیثون کے بہت سے مجموعے مرتب ہوگئے تھے ان مین سے بعض مجموعون کا تذکرہ کتابون مین ملتا ہے،

خالد بن معدان کے پاس ان کے معلومات کا ایک صحیفہ تھا[7]، خلاس بن عمرو الہجری کے پاس ایک صحیفہ تھا اسی کو دیکھ کر وہ حدیثین بیان کیا کرتے تھے[8]، عطاء بن ابی رباح نے صحابہ سے جو حدیثین سنی تھین ان کو ایک صحیفہ مین قلمبند کر لیا تھا[9]، عبداللہ بن مسعودؓ کے پرپوتے عبدالرحمن کے پاس حدیثون کا ایک مجموعہ

[1] مسند دارمی باب من رخص فی کتابۃ العلم [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۲ [3] ایضاً ص ۹۶ [4] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۸۴ [5] مسند دارمی باب من رخص فی کتابۃ العلم [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱ [7] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۱ [8] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۶،

تھا، جس سے وہ بھول چوک میں مدد لیا کرتے تھے[1] سلیمان بن قیس الیشکری نے جابر بن عبد اللہ کا صحیفہ نقل کیا تھا،[2] سمرہ بن جندب فزاری کے پاس حدیثوں کا ایک مجموعہ تھا جو ان کے لڑکے سلیمان سے مروی ہے[3] وہب بن منبہ کے پاس حدیثوں کی کتابیں تھیں[4] خلیفہ ہشام نے اپنے ایک لڑکے کے لئے امام زہری سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ لکھوایا تھا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷،)

یہ سیکڑوں میں سے صرف چند ہیں، رجال کی کتابوں کی ورق گردانی سے اس سے کہیں زیادہ کا اور پتہ چل سکتا ہے، اگرچہ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ہے، لیکن ایک زمانہ میں یہ محدثین کا سب سے بڑا ماخذ رہے ہونگے اور ممکن ہے وہ موجودہ حدیث کی کتابوں کا جزو بن گئے ہوں،

احادیث کے مجموعوں کی اشاعت

حضرت عمر بن عبد العزیز نے جو بڑے جلیل القدر تابعی تھے فرمان جاری کر کے دنیاے اسلام کے سارے علمی مرکزوں کی حدیثیں جمع کرائیں،[5] اور ان کی نقلیں تمام ممالک محروسہ میں شائع کیں،[6] اگرچہ یہ عمر بن عبد العزیز کا تنہا فعل تھا، لیکن اس میں یقیناً اس عہد کے اکثر علماے تابعین کی کوششیں شامل رہی ہونگی، اس لئے کہ ان کے عہد میں صحابہ کرامؓ بہت کم رہ گئے تھے، علماے حدیث میں زیادہ تعداد تابعین کی تھی، جنھوں نے اپنی حدیثیں قلمبند کی ہونگی،

(باقی)

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۱۳ [2] ایضاً ج ۴ ص ۲۱۵ [3] ایضاً ص ۱۹۸ [4] ایضاً ج ۱۱ ص ۶۶ [5] فتح الباری ج ۱ ص ۱۵ [6] جامع العلم بیان العلم و فضلہ ص ۳۶،

دیوان شمس تبریز او مولانا روم،

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۱۰)

حزن و یاس ام الخبائث ہیں

مولینا اسلئے حزن و یاس کے بڑے دشمن ہیں کہ یہ دونوں جذبات زندگی کو ختم کر دیتے ہیں، اسلئے وہ حکم دیتے ہیں :

چون گل و سوسن بخندان خار غم فرسود را — سوے شورستاں روان کن شاخ از آب حیات

کہ در غم بال و پر محکم نہ گردد — بگر داے مرغ دل پیرامنِ غم

ملول اسرار را محرم نہ گردد

عالی ہمتی،

مولینا کے کلام میں انسان کے لئے بلند نظری، عالی ہمتی اور اظہار عزم کے لئے پیامات ہیں،

بشکن تو سبوے جسم و جاں را — چون چشمہ بجوش از دل سنگ،

بکشاے دو چشم غیب داں را، — بر بند دو چشم عیب بیں را،

بہین چہ صید کند دام ربی الاعلیٰ — چو عنکبوت چناں صیدہاے زفت گرفت

گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست — گفتم کہ نہ یافت میشود جستہ ایم ما،

علم بزن چوں دلیران میانۂ صحرا — میان حلقۂ عشاق چون نگیں میباش

مولینا جمود و مسکنت اور تذبذب کے سخت مخالف ہیں، انکا پیغام جد و جہد ایمان اور یقین کے جذبات حاصل کرنا ہے

کز فلک دُرّ نثار خواہد بود، — دامنِ جد و جہد را بکشاے،

آزادی عشق

درکشاد دل چو عشق استاد باش، — در گلستاں چو سرو آزاد باش

وہ عشق کے پیغامبر و مبلغ ہیں،

گرنہ دیوانہ رو خویش را دیوانہ ساز

دوزخِ عشق نگر تا بصفت مرد شوی	پیشِ مردان منشین گز دم شان سرد شوی

قلب انسان کو محرمِ اسرارِ غیب ہونا ضروری ہے، اون کا پیغام یہ ہے کہ انسان عرشِ مجید کو اپنا مقام بنائے،

ما را نبیذ و بادہ از چشم غیب باید،	ما را مقام و قبلہ عرشِ مجید باید،

وہ منادی کرتے ہیں کہ رسالت سے ربط رکھو، علم و عمل کی تصحیح انسانیت اسی روشنی میں کرے، ملاحظہ ہو،

نیش بکشتی نوح وبگیر دامنِ روح	بہ بحرِ عشق کہ ہر لحظہ جزر و مد باشد

مشکوٰۃ رسالت کی آخری شمع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انکے متعلق فرماتے ہیں،

ردائے احمدِ مرسل بگیر اے عاشق	صلائے عشق شنو ہر دمے ز روحِ بلال
مجو سعادت و دولت درین جہان کہ نیابی	ز بندگیش طلب کن سعادت دو جہانی

بعض بعض غزلین کا ملا پیغام ہی کی صورت میں ہین،

ہم رنگِ جماعت شو تا لذتِ جان بینی	در کوی خرابات آ تا دردکشان بینی،
بشکن بتِ خاکی را تا روے بتان بینی،	بر بند دو چشم سر تا چشم نہان بینی،
با وسعت ارض اللہ در حبس چہ چسپیدی	ز اندیشہ گرہ کم زن تا شرحِ جنان بینی

خاموش شو از گفتن تا گفت بری یابی

از جان و جہان بگذر تا جان جہان بینی

تو یار خلوت نازی مقیم پردۂ رازی	قرارگاہ چہ سازی درین نشیمنِ فانی
تو مرغِ عالمِ قدسی ندیمِ مجلسِ انسی	ازین حظیرہ برون پر کہ مرغِ عالمِ جانی

بحال خود نظرے کن برو بر و سفرے کن

ز حبس عالم صورت بمرغزار معانی

پیر روشن ضمیر کی تعریف، مولینا کے مہمات مضامین سے ایک خاص مضمون اپنے پیر روشن ضمیر حضرت شمس کی مدح کا ہے انہوں نے سینکڑوں اسلوب سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، یہ ان کے دیوان کی ایسی خصوصیت ہے جو کسی صوفی شاعر کے دیوان میں نہیں پائی جاتی، اس موضوع سے متعلق ہم نے داخلی شہادت میں طویل طویل بحث کی ہے، اسلئے اب یہان نہایت اختصار سے کام لیا جاتا ہے، اگرچہ یہ شمس تبریزی کی مدح ہے لیکن درحقیقت انسانِ کامل کا تصور پیش کیا ہے،

شنو این رمز عشاق از نواے بربط جانم	کہ شمس الدین تبریزی ہمی گوید بافسانہ
بیا اے شمس تبریزی کہ در رفعت سلیمانی	زہے بزم خدایانہ زہے سیماے شاہانہ
اے قاصد باد صبا از راہ لطفت عرض کن	بر شمس تبریزی ز ما ہر دم ہزاران آفرین
دلِ خود را از شمس الدین تبریز،	ہمیشہ روشن و معمور خواہم،
شمس الدین تبریزی در آئینہ صفایت	گر غیر خدا بینم باشم بتر از کافر،
اے شمس دین ای شمس دین مفتاحِ علم گنجِ دین	عشقِ تو در ہر دو جہان ما ہمگنان در کار شد

استدلال تمثیلی مسلمہ حقائق یا ذاتی خیالات اور نظریات کو ظاہر کرنے اور اون پر زور دینے کا ایک دلچسپ اور پر اثر طریقہ یہ ہے، کہ انھیں تمثیلی پیرایہ میں بیان کیا جائے، یہ طریق استدلال بعض موقع پر صحیح ہوتا ہے، اور بعض موقع پر غلط بھی ہو سکتا ہے، بعض لوگ اس میں زبردست منطقی دھوکا دیتے ہین، اچھی اور صحیح بات کو اچھی مثال کے پیرایہ میں پیش کر کے اسے قوی کر سکتے ہیں، اور بری مثال اور غلط تمثیل سے مخاطب کو غلط تخیلات میں مبتلا کیا جاسکتا ہے یا کسی غلط تصور یا خیال کو نہایت لطیف تشبیہ اور مثال کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے، گویا سوفسطائیت سے کام لیتے ہیں لیکن

جب کوئی خیال حقیقت کا بھی حامل ہو، اور اسے عمدہ تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا جائے تو اس سے اسکی قوت بڑھجاتی ہے، یہ استدلال عام فہم ہوتا ہے، مولینا تمثیلی استدلال میں بڑا کمال رکھتے ہیں، مثنوی میں ہزاروں مواقع پر اس کمال کا بڑی خوبی سے اظہار فرمایا ہے، جس سے مثنوی کے دقیق مطالب واضح اور روشن ہوگئے ہیں، دیوان میں بھی ان کا یہ رنگ قائم ہے، عمر خیام وغیرہ جیسے شعراء یا حکمائے اپنے ذاتی خیالات اور عیش پسندانہ جذبات کو تمثیلی پیرایہ میں ظاہر کیا ہے، اور ان پر خطابی یعنی شاعرانہ دلائل قائم کئے ہیں،

مولینا اس کے جواب میں دینی حقائق اور غیبی معارف اور اخلاقی مسلمات کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں، اور جواباً نہایت خوبی سے خطابی دلائل لاتے ہیں،

مثلاً معاد کے انکار میں عمر خیام نے لکھا ہے، کہ آدمی کوئی گھاس نہیں ہے، کہ ایک بار کاٹ لیں، اور وہ دوبارہ زمین سے پیدا ہو،

مولینا اس خیال کی تردید اسی پیرایہ میں فرماتے ہیں،

کدام دانہ فرورفت در زمیں کہ نرست چرا بہ دانۂ انسانت این گمان باشد

اور کئی مسائل مولینا نے اسی پیرایہ میں لکھے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں، :-

شمع جاں را گرد ایں لگن تن چہ کنی این لگن گر نہ بود شمع ترا صد لگن است

چنانکہ آب حکایت کند ز اختر و ماہ ز عقل و روح حکایت کنند قالبہا

کائنات میں ایک چیز مختلف مراتب ترقی سے گزر رہی ہے، مولینا فرماتے ہیں تو ایک درجہ پر پہنچکر مایوس مت ہو، کہ تجھے اس سے آگے کا درجہ ملے گا،

ہزار مرغ عجیب از گل تو پر سازند چو ز آب و گل گذری تا دگر چہات کنند

ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے اپنی حیثیت واضح فرماتے ہیں،

من نہ خود آمدم اینجا کہ بخود باز روم ہر کہ آورد مرا باز برد در وطنم

عربیت

مہمات مضامین کی بحث ختم ہوچکی، لیکن ابھی بعض اور خصوصیات توضیح اور تشریح کی محتاج ہیں، مولینا نے بچپن ہی میں اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں علوم ظاہر کی تحصیل شروع کردی تھی اور لغت، ادب، فقہ، معقولات، حدیث، و تفسیر میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ بہت جلد مستند علماء میں شمار ہونے لگے، سپہ سالار کا بیان ہے،

"در علوم رسمی چوں اقسام لغات و عربیت و فقہ و حدیث و تفسیر و معقولات و منقولات بہ غایتے رسیدہ بود کہ در آن عصر سرآمد ہمہ علماء دھر شدہ بود"

(سپہ سالار ص ۱۶)

اس سے مقصود یہ بتانا ہے، کہ عربی ادب اور لغت میں بھی مولینا کو پورا کمال حاصل تھا دیوان میں بھی ان کا یہ کمال مختلف صورتوں میں نمایاں ہے،

کہیں کسی غزل میں بعض اشعار عربی کے ہیں، کہیں صرف بعض مصرعے عربی کے ہیں، کہیں پوری کی پوری غزل اسی جوش و روانی کے ساتھ جو فارسی غزلیات میں ہے، عربی میں لکھی ہے، اس طرح دیوان میں عربی کی کئی غزلیات ہیں،

عربی غزل میں بھی حضرت شمس کی مدح و تعریف اپنی عام عادت کے مطابق کرتے ہیں،

یا منیر النجد یا روح البقا یا مجیر البدر فی کبد السماء

انما التبریز عرش منیر حبذا تبریز ارضا حبذا

تمر سار النیا وجب الحب علینا سطع العشق لدینا طرد العشق منامی

سلب العشق فوادی حصل الیوم مرادی بزن ای مطرب عارف ز پی دولت شادی

قرآن مجید کی آیات کے مختلف ٹکڑے اپنے اشعار میں داخل کرتے ہیں، جن سے بعض اوقات

معنی کی پوری خوبی اور کلام کا منشا اور مفہوم کامل طور پر واضح ہو جاتا ہے،

نوبت ہجر در انتظار گذشت   فادخلوا الدار یا اولی الالباب

گرشما محرم ضمیر شنید،   فاسئلو هُنَّ من وراء حجاب

بعثر مافی القبور حصل مافی الصدور   آمدہ آواز صور روح بمقصد رسید،

برگہا چون نامہا بروی نوشتہ خط سبز   شرح آن خطہا بخوان از عند ام الکتاب

تسلسل مضامین، جب سے مغربی تعلیم مشرق میں پھیلی ہے، اور مغربی ادب کا اثر مشرقی ادبیات پر پڑا ہے، بعض لوگ عموماً مشرقی شعراء، اور خاصکر اردو اور فارسی غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ تو شعر کی ایک مہمل صورت ہے، اس میں نہ خیالات کا کوئی تسلسل ہوتا ہے، نہ جذبات کی یکرنگی ظاہر ہوتی ہے، اصولاً یہ اعتراض غلط ہے، کیونکہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر شاعر کے جذبات میں یکرنگی ہو، اور جذبات و خیالات کا اظہار ایک علمی مضمون کی طرح شعر میں بھی منطقی تسلسل کے ساتھ کیا جائے، یہ تو شاعر کے شخصی رجحان پر ہے، جیسا طبیعت کا رنگ ہوگا، جذبات کی جو نوعیت ہوگی، اسی طور پر خیالات اور جذبات کی ترجمانی ہوگی،

اس بحث کے قطع نظر بھی یہ اعتراض غلط ہے، فارسی میں متعدد ایسے شعراء ہیں، جن کی غزلیات میں مضامین کا تسلسل پایا جاتا ہے، مثلاً عراقی، مغربی، مولانا روم وغیرہ، مولینا غزل گوئی میں تسلسل مضامین کے موجد ہیں، کیونکہ مولینا کے ہمعصر مجتہد غزل گو شاعر سعدی ہیں، ان کی غزلیات میں یہ خصوصیت نہیں ہے، ہان مولینا کے معاصرین میں عراقی کی غزلیات میں بھی مضمون کا تسلسل ایک حد تک پایا جاتا ہے،

مولینا کے دیوان میں بکثرت ایسی غزلیں ہیں، جن پر نہایت آسانی کے ساتھ کوئی عنوان لکھا جا سکتا ہے، جس سے وہ صاف مسلسل نظمیں معلوم ہوں گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی غزلین

کسی خاص حالت کے تحت مین لکھی گئی ہین، اسلئے ہر غزل میں کسی نہ کسی خاص حالت یا جذبے کا مسلسل بیان ہے ان کا کلام جذبات کا آئینہ ہو، مثلاً ایک غزل میں شادی وصال کا اظہار کیا ہے،

معشوقہ بسامان شد تا باد چنین بادا   کفرش ہمہ ایمان شد تا باد چنین بادا

زان طلعت شاہانہ زان مشعلۂ خانہ   ہر گوشہ چو بستان شد تا باد چنین بادا

غم رفت و فتوح آمد شب رفت و صبوح آمد   خورشید درخشان شد تا باد چنین بادا

ایک غزل ہے جس میں مسلسل بے نیازی عشق کو بیان کیا ہے،

مرد خدا مست بود بے شراب   مرد خدا سیر بود بے کباب،

مرد خدا شاہ بود زیر دلق   مرد خدا گنج بود در خراب،

مرد خدا بحر بود بے کران   مرد خدا قطرہ بود بے سحاب،

یار مطلوب ہے، اور ربط یار کی اہمیت و لذت کا احساس قلب پر طاری ہے، فرماتے ہین،

مرا عقیق تو باید شکر چہ سود کند   مرا جمال تو باید قمر چہ سود کند

چو چشم مست تو نبود شراب را چہ طرب   چو ہمرہم تو نباشی سفر چہ سود کند

یہ خیال آتا ہے کہ بے یار سب عیش و عشرت بے معنی ہے، بس اسی خیال کو ظاہر فرماتے ہین،

اے بے تو حرام زندگانی   خود بے تو کدام زندگانی،

اے وصل تو آب زندگانی   تدبیر خلوص ما تو دانی،

از دیدہ بروں مشو کہ نوری،   از سینہ جدا مشو کہ جانی،

مولینا ایک محرم راز کی تلاش میں ہین، اس تمنا کا اظہار مسلسل ایک غزل میں فرماتے ہین،

چہ بودے کہ یک گوش پیدا شدے   شنیدے زبانہاے مرغان ما

چہ بودے کہ یک چشم پیدا شدے   کہ دیدے درختان بستان ما

چہ بودے کہ موجے پدید آمدے گہر بارازان بحرِ عمان را

کہیں کہیں مسلسل غزلیں پر لطف مکالمہ کی صورت میں ہین،

گفتم شہا بس قطرہا در ہجر تو باریدہ ام گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لولوئے مکنون کنم

گفتم شہا بسیار شب دیدہ نیالودم بخواب گفتا شبے را صد شبے در عمر تو افزون کنم

کبھی حال کی شدت ہوتی تھی تو اسکو نہ صرف ایک غزل میں بلکہ مسلسل کئی غزلون میں ظاہر کرتے ہین بعض اوقات یہ غزلیں ایک ہی بحر اور ردیف و قافیہ میں ہوتی ہین، ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے،

وان ربابے را بگو مردان سلامت میکنند وان مرغ آبے را بگو مردان سلامت میکنند

مسلسل چار غزلین اسی مضمون اور اسی بحر، ردیف اور قافیہ میں لکھی ہیں، ابتدا میں وجد اور مستی طاری رہتی تھی کئی ایسی غزلیں مسلسل ہین جنکی ردیف "مست" ہے جس سے شدتِ حال کا پتہ بھی چلتا ہے، ہم مثالاً چند مطلع درج کرتے ہیں،

آمد آن ساقی کہ مارا کرد از دیدار مست وز شرابِ لعل او شد زاہد و خمار مست

—— . ——

از سقہم ربہم ہین جملہ ابرار مست، وز شرابِ لایزالی ہفت و پنج و چار مست

—— . ——

اے سر من در ہوائے احمد مختار مست وے دل من در ہوای حیدر کرار مست

شاعرانہ بیان کی خوبیان یعنی شعر کے صوری محاسن

ہم نے ابتک مولینا کی غزلیات کی معنوی خوبیان یا شاعرانہ خیال کے محاسن بیان کئے، اب ہم ان کے کلام میں شاعرانہ بیان کی جو خوبیان پائی جاتی ہین، انکی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرز ادا کی بہت سی خوبیان ہین،

سادگی

ان میں سے ایک سادگی بیان ہے یعنی مولینا اشعار میں اپنا مطلب اس طرح ادا کرتے ہین کہ سمجھنے میں مطلق دقت نہیں ہوتی، جیسے فارسی کے نامی غزل گو شاعر بیدل کے کلام کے سمجھنے مین ہوتی ہے، مولانا بالعموم ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہین جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہین، ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ خود ان کے خیالات میں سادگی ہے یعنی ان کے تصورات اور خیالات پیچیدہ اور الجھے ہوئے نہیں ہین جس خیال پر وہ شعر کی بنا رکھتے ہیں، وہ ان کے سامنے واضح ہوتا ہے، وہ کوئی ایسی بات دوسرون کو نہیں سمجھانا چاہتے جسکو خود انھون نے بخوبی نہ سمجھا ہو اور کسی ایسی کیفیت کی ترجمانی نہیں کرتے، جو ان پر گذری نہ ہو، لفظون کی ترکیب اکثر جگہ قواعد زبان اور اصول بیان کے مطابق ہوتی ہے، ان کے اشعار میں مضمون کے ضروری اجزا، ترک نہیں کردیئے جاتے جس سے شعر کا سمجھنا معمہ کا حل کرنا ہو جائے، یہ ساری چیزیں ایسی ہین جن کے باعث ان کے کلام مین سادگی اور سلاست پیدا ہوگئی ہے،

بر چرخ سحرگاہ یکے ماہ عیان شد تا ہر تجلی ازل جملہ بیان شد

—— . ——

چنان آمیختم با وے کہ دل با من نیامیزد نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم

—— . ——

من از عالم ترا تنہا گزینم روا داری کہ من غمگین نشینم،

—— . ——

مکانم لامکان باشد نشانم بے نشان باشد نہ تن باشد نہ جان باشد کہ من از جانِ جانانم

—— . ——

عشق است در آسمان پریدن صد پردہ بہر نفس دریدن

—— . ——

ہر کہ بہر تو انتظار کند بخت و اقبال را شکار کند

ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ سلاست کمال کی اس حد تک نہیں پائی جاتی، جسے سہل ممتنع کہتے ہیں، غزل گو شعرا میں یہ صفت شیخ سعدی کا خاص کمال ہے،

جدت و حسن تشبیہ

شاعر کا فرض جذبات کی ترجمانی ہے، جذبات کی ترجمانی ہر موقع پر بلا استعارہ و تشبیہ کے ممکن نہیں، ناقابل بیان جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا، اور محسوس کو مشہود بنانے کے لئے تشبیہ اور استعارے

سے کام لیا جاتا ہے، اس کا منشا یہ ہوتا ہے، کہ مطلب واضح ہو جائے، مولینا اپنے کلام کے مقصود اور منشا کے مطابق نہ صرف تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں، بلکہ وہ تشبیہ کے موجدین میں ہیں، یہ اسلئے کہ وہ غزل کے دور اول کے شعراء میں ہیں، انھوں نے سیکڑوں تشبیہات کو غزل میں استعمال کیا ہے، ان کا کلام کثیر ہے، اسلئے ان کا شمار مقلدین میں نہیں بلکہ موجدین اور مجتہدین میں ہے،

وہ اپنے کلام میں ایسی تشبیہیں اور استعارے نہیں لاتے جن تک ذہن کی رسائی مشکل ہو، اور کلام ایک حل طلب معمہ بنجائے، بلکہ انھوں نے کلام میں تشبیہ اور استعارے کا استعمال اس طریقہ سے کیا ہے، کہ اگر ایک طرف اعلیٰ مطالب اور بلند خیالات واضح تر ہو گئے ہیں تو دوسری طرف ان سے ان کے حسن بیان میں اضافہ ہو گیا ہے، حسن بیان اور حسن تشبیہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

در شہر کہ دیداست چنیں شہرہ بتے را　　　در بر کہ کشیداست سہیل و قمرے را

شب قدر است موئے تو کزو یابند دلہا　　　مہ بدر ست روئے تو کزو رفتند ظلمتہا،

گیریم دامن گل و ہمراہ گل شویم،　　　رقصاں ہمی شویم چو شاخ نہال گل

زندان زہرہ را آزاد کردم،　　　روان عاشقاں را شاد کردم،

بحر کی موزونیت اور کلام کی روانی

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے محاسن میں ایک اہم جزو بحر کا انتخاب ہے، یہ شاعر کے ذوق سلیم پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ جذبات اور خیالات کی مناسبت سے بحر کا انتخاب کرے، پرجوش اور مسرت انگیز جذبات کے لئے ایسی بحریں استعمال نہ کرے، جس سے ادائے مطلب میں سستی ظاہر ہو، عشق کے لطیف اور نازک احساسات کے لئے ایسی بحر منتخب کرنی چاہئے جو رزمیہ نظم کے لئے موزون ہو، مثلاً فردوسی نے اپنی مثنوی یوسف و زلیخا میں یہی غلطی کی تھی، جس سے اس کی نظم شاہنامہ کے مقابلے میں ناکام رہی،

مولینا کے کلام میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے خیالات ان کی قوت اور جوش کے مطابق

بحریں استعمال کرتے ہیں، نہ صرف بحر، بلکہ ردیف اور قافیے تک اکثر جگہ نہایت مناسب اور برمحل ہیں، یہ خصوصیت خسرو میں بھی حد کمال تک پہنچ گئی ہے، اگر ان خیالات کو حافظ یا خسرو کی بحروں میں ادا کیا جائے، تو ان کے کلام کا زور اور انکی روانی باقی نہ رہے گی، اسی طرح حسن دہلوی اور خسرو نے جن خیالات کو چھوٹی چھوٹی پاکیزہ بحروں میں ادا کیا ہے، اگر انکے لئے مولینا کی غزلوں کی بحریں استعمال کیجائیں، تو کلام بدمزہ ہو جائے گا،

مولینا کے اس حسن انتخاب کے باعث ان کے کلام میں بڑی روانی پیدا ہو گئی ہے، اکثر بحریں شدت حال، جوش دل اور زور وارفتگی کے مناسب ہیں، چند مثالوں سے ان کی اس خصوصیت کا اندازہ ہو جائے گا،

جوش بہار:-

بہار آمد بہار آمد سلام آورد مستاں را　　　از اں شاہنشہ خوباں پیام آورد مستاں را

چو خسرو زلف شیریں را اگر فتم　　　اگر قصد سر فرہاد کردم،

اپنی حقیقت:-

نہ از دنیا نہ از عقبیٰ نہ از جنت نہ از دوزخ　　　نہ از آدم نہ از حوا نہ از فردوس رضوانم

ربط پیر:-

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز　　　نے ماہ تواں دیدن و نے بحر تواں شد

فخر نسبت:-

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما　　　قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفےٰ است

لطیف اور نازک مضامین کے لئے پھول سی شگفتہ اور چھوٹی بحریں استعمال کرتے ہیں،

آن دلبر گلعذار آمد،　　　آن یوسف روزگار آمد،

بکشائے لب پیمبری را، پیغام زنفخ صور داری،

کہ ظل حق تعالیٰ داری از و بگستر سایہ خود بر سر ما،

پرگوئی، مولینا نہایت پرگو شاعر ہیں، یہ وصف مثنوی اور دیوانِ غزلیات دونون سے ظاہر ہے، لیکن دیوان میں زیادہ نمایان ہے، کیونکہ یہ ضخیم تر ہے، اس میں ذوق کلام سے زیادہ غلبۂ حال کو دخل ہے، البتہ اثر کے اعتبار سے مثنوی کا درجہ بلند ہے، لیکن دیوان میں بھی ایک ایک لفظ سے ولولہ جوش اور معنی پنہانی ہے، دیوان میں کثرتِ کلام یا پرگوئی کی وجہ یہی ہے، کہ اس دورِ سرمستی میں میلان طبیعت سخن کی طرف زیادہ تھا، کیونکہ اس زمانہ میں محفلِ سماع کی بھی کثرت تھی، مثنوی صاحبِ مقام ہونے کے بعد لکھی ہے، اس دور میں وہ ولولہ اور ہنگامہ کہان، جب کہ وہ صاحبِ حال تھے، اس دور میں حقیقت حال کو خود بے نقاب فرماتے ہین،

"فرمود کہ اول شعری گفتیم داعیۂ عظیم بود، کہ موجب گفتن بود،"

(فیہ مافیہ ص۲۰)

مدح گوئی سے احتراز، باوجود اس پرگوئی کے مولینا کا دامن کسی بادشاہ یا امیر کی مدح گوئی کے داغ سے داغدار نہیں ہوا خصوصًا اس دور میں جب کہ نظامی سعدی اور خسرو جیسے اہلِ دل بھی اس سے نہ بچ سکے،

نیست وفا خاطر پرندہ را، عیب مکن گر غزل ابتر بماند،

(شمس)

شاعرانہ بیان یا طرزِ ادا کے نقائص، مولینا کے کلام میں ایک طرف شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے اگر مختلف محاسن ہین، تو بعض نقائص اور کمزوریان بھی اس حد تک نمایان ہین کہ ہم انھیں انکی خصوصیاتِ کلام کے دائرہ سے خارج نہیں کرسکتے، اسکا سبب تو ہم آگے عرض کرین گے، پہلے فرضِ تنقید کی ادائی کے لئے اس نوع کی چند نقائص کا بھی ذکر کرتے ہین،

زبان صنف غزل کے مناسب نہیں، ہر صنفِ سخن میں زبان کا رنگ خاص ہوتا ہے، جو زبان انوری خاقانی ظہیر اور سلیمان وغیرہ کے قصائد کی ہے، وہ کبھی خسرو سعدی اور حافظ کی غزل کی نہیں ہو سکتی، لیکن مولینا اس اصول کے پابند نہیں، درحقیقت غزل کا منشا، ومفہوم ہی اصطلاحی حدود سے وسیع ہے، اس لئے مولینا کو نہ الفاظ کی کچھ پروا ہے، اور نہ خاص ترکیبوں کی طرف ان کی کچھ توجہ ہے، اس سے اون کی غزلیات میں وہ لطافت پیدا نہ ہو سکی، جو سعدی حافظ یا حسن دہلوی کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے،

تعقید لفظی پیچیدہ ترکیبین مولانا اپنی دھن اور رو میں بعض بعض جگہ غریب، نامانوس اور ثقیل الفاظ بھی بے تکلف استعمال کر جاتے ہین، جنھیں غزل تو غزل قصیدے میں بھی استعمال کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا، مثلاً:-

برون در بود خورشید تو آب، غلط گفتم کہ مسجد ہاے مارا،

کان چہرۂ مشعشع تابانم آرزوست اے آفتاب رخ بنما از نقاب ابر

آن چشم خمار عبہری را، پندے بدہ و بصلح آور،

انکے کلام میں لفظی تعقید پیچیدہ اور غیر شگفتہ ترکیبیں بھی ہین،

گشتست پیش حسنت مستغرق عجائب این مجمع ملامت وآن محشر قیامت

پرندہ و چرندہ لنگ اندرین حضرت ماہے خبر کم اینجا بر بند درِ خانہ،

دیا کہ سینۂ تفیدہ صبا خواہد، عجب نباشد اگر مردہ بجوید جان

فک اضافت، نظم و نثر میں عمومًا اور فارسی زبان میں خصوصًا اضافت، اختصار و ایجاز کا حسن اور اُس کی جان ہے، فک اضافت سے جملہ یا شعر نہایت، غیر فصیح ہو جاتا ہے، بقول مولینا شبلی "یہ شریعتِ شعر میں ابغض المباحات ہے،" لیکن مولینا جہان چاہتے ہیں، اس کی پروا کئے بغیر

تک اضافت کرتے ہیں،

عاشقان را شمع و شاہد نیست از بزن خو بش   آبِ انگوری بخور د بادہ شان ازخوخویش

آب یار نور آمد در صفاء روشنی،   ہر دو غماز ند صورت را ولیکن زاقتباس

ہیچ می دانی چہ می گوید رباب   زاشک چشم و وز جگر ہائے کباب

نقص تشبیہ، مولانا نے چونکہ کثرت سے تشبیہیں ایجاد اور استعمال کی ہیں، اسلئے ان میں ایسی تشبیہیں بھی آگئی ہیں، جو نہایت غیر لطیف اور نامناسب ہیں،

شمس الحق تبریزی با چوجہ و تو مرغی   این چوجہ دریں بیضہ ماند است چو دُردر خم

اے دار وے فربہی و صحت   از بہر تن نزار عاشق،

زبادہ او چون افیون فضل او خوردیم،   بروں شدیم ز عقل و بر آمدیم از کار

پیرایۂ مجاز، اگرچہ غزل شعر کی ابتدا بھی ہے، اور انتہا بھی، لیکن اس کی زبان سادہ اور سہل ہوتی ہے، اسی لئے وہ عوام اور خواص دونوں طبقوں میں مقبول ہی، جو قبولیت اس صنفِ سخن کو حاصل ہے، وہ کسی اور صنف کو نصیب نہیں،

ہرچند غزل کی خوبی کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ پیرایہ مجاز ہی میں ہو، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ قبولیت عام اس غزل کو زیادہ حاصل ہوتی ہے، جس میں بلند خیالات اور روحانی حقائق بھی پیرایہ مجاز میں ادا کئے جائیں، سعدی خسرو اور حافظ کے تغزل کی قبولیت کا سبب یہی ہو کہ وہ مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی تقریبًا بلکہ تمامتر بادہ و ساغر ہی کے پیرایہ مجاز میں کرتے ہیں، مولینا کے کلام میں یہ بات اس حد تک نہیں ہو، انھوں نے اسرار و حقائق کو اکثر بے پردہ ظاہر کیا ہے، اور دیوان میں اپنے ہی اصول

خوشتر آن باشد کہ سرّ دلبران   گفتہ آید در حدیثِ دیگران

پر عمل نہیں کیا،

(باقی)

نطشے

(۲)

ازجناب پروفیسر مقصد ولی الرحمن صاحب ایم اے جامعہ عثمانیہ

(۹)

کیا "طاقت" کا ڈاروینی تصور نطشے کا اتنی ہی آسانی کیساتھ خاتمہ کر دیتا ہو جتنا کہ تمہرے ہی مارکس کا؟ کیونکہ نطشے ایک زیادہ عینی اور ٹھوس سلسلۂ استدلال بھی رکھتا ہو، وہ بعض اوقات یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہو کہ جن اخلاقی صفات کو وہ ناپسند کرتا ہے یعنی انکسار رحم اور ہمدردی، وغیرہ، وہ مفروضہ اجتماعی طاقت کے سرچشمے نہیں، یا یہ کہ ان کی نگہداشت اور پرداخت اس حد تک کی گئی ہے، کہ یہ حیاتیاتی نقطۂ نظر سے خطرناک ہو گئے ہیں اور یہ "انحطاط" کے مظاہر ہو سکتے ہیں، اور نطشے نہایت بلند آہنگی کیساتھ تمام تہذیب و تمدن میں اس "انحطاط" کے وسیع وجود کا اعلان کرتا ہو،

یہ ایسا دعوی ہے جسکو سائنس سرسری طور پر اور آسانی کیساتھ رد نہیں کر سکتی، کیونکہ اس خیال میں انواع اقوام اور معاشروں کے انحطاط پذیر ہو سکنے میں کوئی استحالہ نہیں، زمانہ گذشتہ میں وہ انحطاط پذیر بلکہ مردہ ہو چکے ہیں، اسکے علاوہ تطابق کی ایک چھوٹی سی ناکامی سے بھی انحطاط پذیری کا یہ عمل شروع ہو سکتا ہے، اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ یہ ناکامی عین اُن صفات کی بہت زیادہ ترقی کا نتیجہ ہوئی ہے، جو ابتداءً کامیابی کی طرف لیجاتی ہیں، یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ اگر کوئی سحر خیز پرندہ صبح کے وقت کوئی کیڑا پکڑ لیتا ہو، تو وہ اپنے ذخیرہ خوراک کو کم کر دیتا ہے، اسلئے فاقوں مرتا ہے، لہذا سائنس نہایت احتیاط کیساتھ مطالعہ کرنا چاہئے، کہ کہیں ہم حقیقی حیاتیاتی معنوں میں انحطاط کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں، یعنی کہیں کسی اہم اور شاید لازمی حیثیتوں سے بقا کی قابلیت ہم میں کم تو نہیں ہو رہی ہے،

اس قسم کے مطالعے کے نتائج بہت زیادہ اذعان بخش نہیں، یہ تسکین دینے والا عقیدہ کہ کسی مہربان قدرت کی عنایت سے نسلِ انسانی برابر بہتر ہو رہی ہے، کوئی سائنٹفک سند نہیں رکھتا، کوئی اذعان بخش شہادت اس امر کی موجود نہیں کہ جسماً یا ذہناً ہم اسلاف سے بہتر ہین، اسکے برعکس یہ ماننا پڑتا ہی کہ قدیم ترین عہد حجری کی کھوپڑی میں بالکل اتنی ہی گنجایش تھی، جتنی کہ آجکل کے انسان کی کھوپڑی میں ہی، یہ ممکن ہے کہ ہم بعض جراثیم کے حملوں سے اپنے آپ کو بچالین، لیکن جسمانی عیوب و نقائص مثلاً کوتاہ نظری وغیرہ روز افزون ہیں، کیونکہ اب یہ بقا کے لئے مہلک نہیں رہے، فتورِ عقل برابر تیزی کیساتھ بڑھ رہا ہی، اور زمانۂ جدیدہ کے حالات نالائقی، اور سخافتِ عقل کے خاص درجے کو برداشت کر لیتے ہین، بلکہ انکی پرورش کرتے ہین، حالانکہ قدیم زمانے میں ان ہی سے زندگی کا خاتمہ ہو سکتا تھا، لہذا یہ فرض کیا جا سکتا ہے، کہ جس طرح ہم بعض حیثیتون سے حقیقۃً انحطاط کی طرف جا رہے ہین، اسی طرح ہم من حیث الکل بھی انحطاط کی طرف مائل ہین، لیکن مایوسی کی بہرحال ضرورت نہیں، بہ شرطیکہ ہم اس علاج کو اختیار کر لیں، جو نٹشے نے اپنے مخصوص استبدادی انداز میں تجویز کیا ہی،

(۱۰)

فوق الانسان سے نٹشے انسان کی وہ نصب العینی صنف مراد لیتا ہی، جو اسوقت متحقق ہوتی ہی جب انسان خود اپنے ارتقاء کی رہنمائی کی جانب سائنٹفک اور باقاعدہ توجہ کرتا ہے، ہم اس اصول سے اتفاق کر سکتے ہیں، خواہ اُس صنفِ فوق الانسان سے ہمین اختلاف ہو جس کی ہمین ضرورت ہے، اس وقت تو ہم یہ بھی نہیں جانتے، کہ نسلِ انسانی کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے، یا اسکو انحطاط سے کیونکر بچایا جا سکتا ہے، لیکن علمِ توریث روز بروز سائنٹفک تحقیق کا موضوع بنتا جا رہا ہے، اور جسقدر ہم اس پر عمل کرتے ہین اس سے کہین زیادہ ہم اس کے متعلق جانتے ہین ہمین اتنا تو بہر کیف معلوم ہے کہ تمام مہذب و متمدن معاشرے بعض غلط اور اکثر عمرانی ادارے بے ڈھنگے طریقے سے کام رہے ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اشرافیت (Aristocracy

کو جو ترجیح نٹشے نے دی ہی، وہ حیاتیاتی نقطۂ نظر سے جائز ہے، کیونکہ ہر جگہ ترقی کا انحصار چند ایسے افراد پر ہوتا ہے، جو نئی چیزیں اور باتیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہین لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنی اشرافیتین ابتک وجود میں آچکی ہیں، وہ سب کی سب درست تھین، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ سیاسی نقطۂ نظر سے تمام عوامی (Democratic) اداروں کو توڑ دینا چاہئے، اس سے مراد صرف اسقدر ہے کہ انسان بہت سی حیثیتوں سے غیر مساوی ہین، اور یہ کہ حقیقت کو نظر انداز کر دینا، اور ان کی صلاحیتون کو ایک سطح پر لانے کی کوشش کرنا نسلِ انسانی کے لئے مہلک ہو سکتا ہے،

(۱۱)

لیکن کیا نسلِ انسانی کے مستقبل کے متعلق یہ اندیشہ و تشویش ایک نئی، اور ایسی بات نہین جس کے اظہار کی توقع نہ صرف غیر متفکرین، بلکہ قنوطی سے بھی نہیں کیجا سکتی، ؟ اور نٹشے شوپنہائر کو کیا جواب دیتا ہی، ؟ اس کا جواب اس لئے اور بھی زیادہ سبق آموز ہے، کہ بادی النظر میں یہ جواب معلوم ہی نہیں ہوتا، وہ "زندہ رہنے کے ارادے" سے انکار نہیں کرتا، اگرچہ اس نے اسکو فتح کرنے اور حکومت کرنے کے ارادے کی شکل میں پھیلا دیا ہے، اسی طرح وہ زندگی کی الم ناکیوں کا بھی منکر نہیں، لیکن وہ اس سے وہ نتیجہ نہیں نکالتا جو شوپنہائر نے نکالا ہے، اور وہ زندگی کی نفی نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس وہ اس کا اثبات کرتا ہے، کیونکہ یہ المناک ہے، اور قنوطیت کے ساتھ استدلال کرنے کے بجائے زندگی کی نفی کرنے والے میلانات کو انحطاط کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے، لیکن اس سے قنوطیت کی عقلی تردید کیونکر ہوتی ہے، ؟

جواب ظاہر ہے کہ اس سے تردید نہیں ہوتی، لیکن یہ استدلال اسی لئے بہتر ہے، نٹشے نے قنوطیت اور زندگی کی ماہیت کو ان فلاسفہ کی بہ نسبت کہیں بہتر سمجھا تھا، جو نہائی طور و طریق اور ہمارے تمام ثبوتوں سے "عقلی ثبوتوں" کی تلاش میں سرگردان پھرتے ہین، اس نے معلوم کر لیا تھا، کہ زندگی

کا اذعان یقینی طور پر ایک جبلت اور زندہ رہنے کے ایسے ارادے کی پیداوار ہوگا، جو موروثی اور خلقی ہے اور یہ کہ رجائیت ذہن میں ماہیتِ اشیار کا منصفانہ اور سچا محض عکس نہیں، بلکہ ارادے کا ایک طرز و طریقہ ہے، لہذا اسکے نزدیک قنوطیت اولاً اس جبلت کی کمزوری کے ہم معنی اور اسلئے انحطاط کی علامت ہو، اس کا تدارک کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہو کہ زندہ رہنے کے اس ارادہ کو اور مضبوط کیا جائے، جس کی مدد سے نسلِ انسانی نے زمانہ گذشتہ کی تمام ہولناکیون کا مقابلہ کیا ہو،

اس علاج کی صحت میں شبہہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ یقینی ہے کہ اس سے ایک قنوطی کی تشفی نہ ہوگی، لیکن اس میں عقلیت کی خالص ترین صورت کی جدید تنقید کا اظہار ہوا ہے، حیاتیات نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، کہ زندگی کی دنیا میں عقل نو وارد ہے، اور یہ اس سے قبل جبلت کی محکوم تھی، واقعہ یہ ہے کہ ہم اب بھی اپنی جبلتون کی مدد سے زندگی بسر کرتے ہین، اور اگر ان جبلتون میں خرابی واقع ہوتی ہے، تو ہم فنا ہو جاتے ہین، جس عقل پر ہمین فخر ہے، وہ محض ایک آلہ ہے، جس سے ہم اپنی غایات کے وسائل کی پیمائش اور اصلاح کرتے ہین، ہمارے تمام قوار کی طرح یہ بھی قانون طبعی انتخاب کے تابع ہے، اگر یہ تنازع للحیات کے لئے مفید اور قوی آلہ نہ ہوتا، تو اس میں کبھی بھی ترقی نہ ہوتی، عقل کسی طرح بھی زندگی کو قابلِ مذمت قرار نہیں دے سکتی، کیونکہ اگر یہ ایسا کرتی ہے تو پھر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اس حالت مین فطرت پھر ان لوگوں کا انتخاب کرے گی، جو یا تو اتنے احمق ہیں کہ قنوطیت کے دلائل کو معلوم نہیں کر سکتے یا زندہ رہنے کے ارادے کے اتنے زیر اثر ہیں، کہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اس طرح فکر اپنے آپ کو بے عقلی کے اندھیرے گڑھے کی طرف جاتی ہوئی پاتی ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ یہ گڑھا تمام عقلی قیمتون کو گھیر لینے اور تمام عقلی اصولون کو الٹ دینے کی دھمکی دے رہا ہے، اور سائنس ہیوم کے اس قول کی تائید کرتی نظر آتی ہے، کہ "عقل جذبے کی غلام ہے، اور اس کو ایسا ہونا ہی چاہیئے" اکثر فلاسفہ نے اس قول کو ازالۂ حیثیت عرفی کے برابر سمجھا، ہو لیکن واقعہ یہ ہو کہ اس کی نازک خیالی پر کبھی غور ہی

نہیں کیا، یہ فلسفۂ جدیدہ کی بہت بڑی ترقیون کا نقطۂ آغاز ہے، ان ہی ترقیون مین نفثے کا نظریۂ علم بھی ایک معین اور اہم مقام رکھتا ہے، لیکن اسکی اہمیت پوری طرح سمجھی نہیں گئی، اس کو واضح کرنے کے لئے ہیوم کے وقت سے تاریخِ فلسفہ کے خاکے کی ضرورت ہے، اس خاکے مین ان مقامات پر زور دیا جائے گا جن پر بالعموم زور نہین دیا جاتا،

(۱۲)

ہیوم نے وہ کمال کیا جو فلسفے میں بہت نادر ہے، یعنی اسنے ایک حقیقی اور بڑا انکشاف کیا، وہ یہ ہے کہ علاقہ علی کا تصور مظاہر کے تعاقب میں ہم کو حاصل نہیں ہوتا، اسکو ہم اس تعاقب پر ایک توجیہ طلب طریقے سے اضافہ کرتے ہین، لیکن اس انکشاف کی اہمیت نہ یہ تھی کہ اگر اضافہ کرنے کا یہ حق ہم سے چھین لیا جائے، تو ارتیابیت پیدا ہوتی ہے، اور نہ یہ تھی کہ اگر اسکو صحیح خیال کیا جائے تو "حضوری" (APYIOYI) کی ایک نئی صورت کا اثبات ہوتا ہے، اس کی اہمیت اس واقعے میں تھی، کہ تاریخ فلسفہ میں پہلی مرتبہ اس افتراض پر شبہہ کیا گیا، کہ علم مین ذہن کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ حقیقت کا عکس دیکھے،

علی استدلال کے جس واقعے کا ہیوم نے مشاہدہ کیا، اسکی بہت سی تاویلیں ہو سکتی ہین، اور فلاسفہ نے اسکی وسعت کو بہ تدریج معلوم کیا ہے، کانٹ کی تاویل یہ ہے، کہ لہذا علت ایک "حضوری مقولہ" (ARIORI CATEGORY) ہے، ظاہر ہے کہ اس سے ہیوم کے شبہات رفع نہ ہو سکے تھے بلکہ یہ معلوم کرنے سے کہ معطیاتِ تجربہ کو صورت دینے، اور ان کو سائنٹفک واقعات میں بدلنے کے لئے حضوری مشینون کی کتنی تعداد درکار ہوتی ہے، علم انسانی پر اسکے شبہات کی اور زیادہ تائید ہوتی، اسکی وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ فرض کیا جاتا ہے، کہ فکر کو حقیقت کی شبیہ ہونا چاہیئے، اسوقت تک جس قدر زیادہ اضافے اور جس قدر زیادہ ردوبدل ہم کریں، اسی قدر ہماری فکر کے نتائج کم قابلِ اعتبار ہوجاتے ہین، اور اسی قدر زیادہ یقین کے ساتھ ہم علم کو سائنٹفک تکذیب کہ کر عیب ناک کر سکتے ہین، لہذا اگر یہ تسلیم

بھی کرلیا جائے، کہ کانٹ نے ثابت کیا تھا کہ علاقہ علّی اس لحاظ سے اکیلا نہیں، اور یہ کہ ایسے "واقعات" کہیں بھی دستیاب نہیں ہوتے، جو ہمارے "حضوری" اضافون سے "گھڑے" نہ گئے ہون، یا جو بقول اسکے "بنائے" نہ گئے ہون، تب بھی جو شخص ہمارے معطیات میں اس مداخلت کا منکر ہے، وہ مجبوراً نتیجہ نکالے گا کہ جس چیز کو "صداقت" کہا جاتا ہے، وہ حقیقت میں وہم ہے، خود کانٹ نے یہ دکھا کر اس خیال کی زبانی تصدیق و تائید کی، کہ بعض صورتوں میں عقلی اصول "ارادے" کے "مفروضات" سے پیدا ہوتے ہین، اور یہ کہ تمام سائنس غیر شعوری وہمون پر مبنی کیجا سکتی ہین، مختصر یہ کہ بجائے اسکے کہ کانٹ اُن شبہات کو رفع کرتا، جو ہیوم کے انکشاف سے پیدا ہوئے تھے، اس نے ان کی وسعت اور زیادہ کردی، نطشے نے صحیح کہا ہے کہ جو لوگ اپنے تفکر کو کانٹ سے شروع کرتے ہیں، ان کے لئے "صداقت" ایک ایسا مسئلہ بن گئی ہے، جس پر شبہہ کیا جاتا ہے،

نطشے نے اپنے اس ادراک کو غلطی سے شوپنہائر کی طرف منسوب کیا ہے، شوپنہائر تو باقی ماندہ کانٹی مفکرین کی طرح مابعد الطبیعیات کا ادعا پسند ماہر ہے، اگرچہ اس کے غیر معقول ارادۂ زندگی کو حقیقت کے جوہر کی حیثیت سے اختیار کرنے کو ہیوم کے اس انکشاف کے مابعدی اثرات کا نتیجہ ثابت کیا جا سکتا ہے، جو اس نے "جبلت" کے متعلق کیا،

(۱۴)

لیکن اس میں کلام نہیں کہ نطشے مسئلۂ صداقت کے روبرو آگیا تھا، اور اس کو اعتقادیت کے اس درجے کی اصلاح کی ضرورت محسوس ہو گئی تھی جس پر کانٹ نے اسکو چھوڑا تھا، اس نے جلدی ہی معلوم کرلیا، کہ عقلی قیمتیں اتنی ہی محلِ اعتراض ہو سکتی ہین جتنی کہ اخلاقی، اسکو اپنے اس الہام کے نقل کرنے کا بہت شوق تھا، کہ کوئی چیز بھی نہیں، ہر چیز جائز ہے"، اپنی کتاب "شوپنہائر، بحیثیت ماہرِ تعلیم" لکھنے کے زمانہ (۱۸۷۴ء) تک اس نے کالج اور یونیورسٹی میں پڑھائے جانے والے فلسفے کی عدم حقیقت اور بے ثمری کو بھی محسوس

کرلیا تھا، تا آنکہ وہ یہ کہنے کے قابل ہو گیا تھا، کہ "فلسفے پر تنقید کا واحد طریقہ جس سے کچھ ثابت ہو سکتا ہو، یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے، کہ آیا یہ قابلِ عمل بھی ہے، یا نہیں، یونیورسٹیون میں اس طریقہ کی تعلیم کبھی بھی نہ ہوئی، ان میں محض الفاظ کی تنقید سکھائی جاتی ہے" لیکن ایک واضح اور معین نظریۂ علم جا کر "ارادۂ طاقت" میں صورت پذیر ہوا، یہ نظریہ ان دو ادراکات کا نتیجہ تھا، کہ اولاً صداقت تدبر سے زیادہ "وہم" سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسرے یہ کہ اسکو زندگی سے ضرور کچھ نہ کچھ تعلق ہونا چاہئے، لیکن یہ نظریہ تکمیل طلب ہی رہا، اسکی ترقی میں دو ممیز بلکہ متباین پہلو معلوم کئے جا سکتے ہیں، ایک تو بہ حیثیت اس کے کہ زندگی کو باقی رکھنے والے عقائد جھوٹے ہین، اور دوسرے بہ حیثیت اس کے کہ "سچے" ہیں،

ان میں سے پہلا پہلو قدیم تر اور بدیہی تر ہے، اسکی طرف نہ صرف کانٹ کے نظریۂ علم کے رجحان سے، بلکہ اس مشاہدے سے بھی اشارہ ہوتا ہے کہ معاشرہ صرف ان عقائد کی باقاعدہ تلقین کرتا ہے جو سچے نہین، بلکہ (استادون، حاکمون، وغیرہ کے لئے) مفید اور عمرانی نقطۂ نظر سے مستحسن سمجھے جاتے ہین، ظاہر ہے کہ صورت حالات کا یہ اندازہ منطقی نتیجہ ہے اس افتراض کا کہ "صداقت" لازماً "حقیقت" کا عکس ہونی چاہئے، اگر ہم لفظ "حضوری" کو بہ صورت اسکے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہین، کہ یہ منطقی گناہون کی بڑی سے بڑی تعداد کو چھپانے کا ایک ذریعہ ہے، تو ہمارے علم مین مفروضات و اوہام کا بہ ظاہر بے قاعدہ استعمال "تکذیب" کہلانا چاہئے، لیکن کانٹ اور حیاتیات دونون متفق ہین، کہ ان عمدی طرق عمل میں سے کم سے کم بعض طریقے زندگی کی عملی ضروریات میں سے ہین، کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہم انکی مدد سے زندگی بسر کرتے ہین اور یہ کہ سائنس کی جنت کو انسان نے مستحسن التباسات سے بنایا ہے؟

اپنے نظریۂ علم کے پہلے درجے کو نطشے نے اس طرح بیان کیا ہے "نفس صداقت کذب ہے، واقعات من گھڑت چیزین ہین، تمام وہ چیزیں جن کا عقل احترام کرتی ہے، التباسات ہین، چنانچہ نطشے لکھتا ہے: "صداقت غیر موجود ہے، صداقت غلطی کی وہ قسم ہے، جس کے بغیر جاندار مخلوق کی ایک خاص نوع زندہ

نہیں رہ سکتی"، "زندگی کے لئے اسکی قیمت بالآخر فیصلہ کن ہوتی ہے"، "یا یہ ایقان وایمان کی ایک صورت ہے،
جو وجود کی شرط بن چکی ہے"، "ایسی کوئی چیز موجود نہیں جسے ذہن، عقل، فکر، شعور، روح، ارادہ یا
صداقت کہتے ہین، یہ سب اوہام ہین"، فلسفے کی گمراہیاں اس واقعہ کا نتیجہ ہین، کہ منطق اور معقولات
عقل کو افادی غایات کے لئے دنیا کے تطابق (بہ الفاظ دیگر بالخصوص ایک مفید تکذیب) کے محض وسائل سمجھنے
کے بجائے اس کو صداقت اور خصوصاً حقیقت کا معیار سمجھ لیا گیا، حال آنکہ دراصل اس قسم کی باقاعدہ
تکذیب کا حیاتیاتی افادہ "معیار صداقت" تھا، وغیر ذلک"، "واقعات" غیر موجود ہین، وجود صرف ان تاویلات
کا ہے، جو ہماری ضروریات کا نتیجہ ہوتی ہیں"، "ذات" غیر موجود ہے، یہ محض وہم ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے
کہ ایک عقیدہ زندگی کو باقی رکھنے والا ہو، اور پھر بھی "کاذب" ہو، علت کا کوئی وجود نہیں، یہ کچھ پیدا کرنے
کی قوت ہے، جو خیالاً اس چیز پر اضافہ کیجاتی ہے، جو وقوع پذیر ہورہی ہے، منطق کا کوئی وجود
نہیں کیونکہ منطقی فکر" کلیۃً ایسا وہم ہے، جو حقیقت میں کبھی واقع نہیں ہوتا، اس کے اصول یعنی،
"قانون عینیت" اور "قانون اجتماع نقیضین" اوہام" اور "احکام" ہیں، جن کا اطلاق صرف اختراعات پر
ہوتا ہے، اور جو حقیقت کے لئے موزون نہیں، اس وجہ سے کہ بعینہ ایک ہی قسم کی مثالین نہایت "کثیف"
وہم ہیں، جنکو ایک ارادۂ طاقت نے اس شکل میں پیدا کیا ہے، مختصر یہ کہ ریاضی کی طرح منطق بھی ایسے
مفروضہ وجودون کے لئے صحیح ہے، جنکو خود ہم نے پیدا کیا ہے، یہ ہماری کوشش ہے کہ دنیا ہمارے
مقاصد کے لئے زیادہ قابلِ مساحت اور ضابطے کی صورت میں بیان کرنے کے زیادہ قابل ہوجائے،"

(۱۴)

یہ صحیح ہے کہ عقلِ انسانی کے کمالات کا یہ اندازہ پوری طرح ثابت شدہ نہیں، معمولی اور عام
فلسفی اس سے دہشت زدہ ہوگا، اس سے اس کی تشفی نہ ہوگی، لیکن یہ خیالات صرف نطشے ہی کے
نہیں، اسکے نتائج کی اصلی جلنے کے اصطلاحی فلاسفہ نے بھی تائید کی ہے، برگسان کا یہ عقیدہ کہ سائنس

حقیقت کے عملی ضروریات کیساتھ تطابق کا دوسرا نام ہے، اسی فیصلے کا نرم الفاظ میں اظہار ہے، اس سے
بھی زیادہ مشابہت نطشے اور اوہام کے اس سائنٹفک وظیفے کا یادگار زمانہ مطالعے میں ہے جو پروفیسر
فے ہنگر نے کیا ہے، یہ کتاب اگرچہ ۱۹۱۱ء میں "THE PHILOSOPHY OF AS IF" کے نام سے
شائع ہوئی، لیکن اس کا زمانہ تصنیف ۱۸۷۵-۷۶ء کا ہے، پروفیسر فے ہنگر انتقادِ عقلِ نظری کی ایک جید
شرح کا مصنف ہے، کانٹ کے فلسفے کے عمیق مطالعے کے بعد وہ بھی انہی نتائج پر پہنچا جن پر
نطشے پہنچا، ان کے علاوہ افادیتِ صداقت کی جو مختلف صورتین امریکہ و انگلستان میں پیدا ہوئیں وہ
اگرچہ الگ الگ اور براہِ راست نفسیات، حیاتیات اور منطق کے واقعات سے شروع ہوئیں لیکن
ان سب کا ارتقا ایک ہی سمت میں ہوا،

واقعات کے متعلق مستند مصنفین کا روز افزون اور اہم اجماع ان سب پر مستزاد ہے، علم صداقت
منطق، یہانتک کہ ادراک دراصل حقیقی اشیاء کی شبیہیں نہیں، بلکہ مصنوعات ہیں، اور ان اشیاء پر
مختلف اعمال کا نتیجہ ہین، اس صنعت اور عمل کی وجہ سے یہ حقیقی اشیاء مختلف اور حیرت انگیز طریقون
سے بدل جاتی ہین، لیکن اس واقعہ کی تثمین کیا ہوگی، ؟ کیا یہ نتیجہ نکالنا ضروری ہے کہ "صداقت" کذب
ہے، اور "علم" تکذیب ؟ کیا نفس یہ استنتاج تثمین نہیں، ؟ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ کیا یہ تثمین صادق و
کاذب کے فرق کو مٹا کر خود نہیں مٹ جاتی، ؟ اگر "صداقت" "وہم" ہے، اور بغیر بناوٹ کے کوئی علم
ہمکو حاصل نہیں ہوسکتا، تو وہم کے برے معنوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اسکے علاوہ علم کی تحلیل کی حیثیت
سے اس استعمال پر اعتراض وارد ہوسکتا ہے، کہ یہ بہت زیادہ تکلیف دہ ہے، کیونکہ یہ واقعہ
ہے کہ صادق و کاذب میں ہم فی الواقع تمیز کرتے ہین، اور یہ بھی یقینی ہے کہ اس تمیز کا ایک وظیفہ
ہے، اور اسکے ایک خاص معنی ہین،

(۱۵)

تو پھر کیا اس کے علاوہ کوئی اور تاویل نہیں، ؟ نطشے کی تصانیف میں چند باتیں ایسی ہیں جن سے

اشارہ ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی اور تاویل کی تلاش میں ہے، یہ باتیں خصوصیت کیساتھ اس کی کتاب "WILL TO POWER" کے اس مسودے میں ملتی ہیں، جو اسکے سلسلۂ مصنفات کی انیسویں جلد ہے اور جس کا بدقسمتی سے انگریزی ترجمہ نہیں ہوا، لیکن یہ بتانا آسان نہیں، کہ یہ منفرد و مختصر بیانات ہیں، یا "ذہن کے کام" کی بہ حیثیت صادق یا کاذب، باز تخمین کی ابتدا، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نطشے کس حد تک ان کے اور اپنے عام تخمینات کے تباین سے واقف تھا[۱]،

لیکن ہم کو اس اعتراض کا امتحان کرنا چاہئے، کہ انسانی فعلیت صداقت کا سرچشمہ ہو سکتی ہے، نہ کہ کذب کا، ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کئے لیتے ہیں، کہ ہر علم میں انسان کی دست درازی شامل ہوتی ہے، صداقت جوہراً ایک تخمین ہے، احساسات واقع نہیں ہوتے، اور ادراکات پہلے ہی سے تخمینات سے پر ہوتے ہیں، کیونکہ اصلی معطیات بحالت فساد تھے[۲]، اور صرف وہ تصورات باقی رہ سکتے ہیں، جو مفید تھے، اور یہ کہ تمام کے تمام وقوفی آلون کا رُخ اشیا پر غلبہ پانے کی سمت ہے، نہ کہ "علم" کی طرف، لیکن ان سب سے یہ نتیجہ کیون نکالا جائے کہ "جس دنیا سے ہمین تعلق ہے، وہ کاذب ہے، ؟" اس کو "کاذب" کہنے کا آخر مطلب کیا ہے؟

۱؎ نطشے نے اپنے اس عقیدے کو کہ سائنس ایک وہم ہے، غیر متناقض طور پر استعمال نہیں کیا، چنانچہ وہ "ابدی اعادے" کے عقیدے کو بقاے توانائی کے سائنٹفک اصول پر مبنی کرتا ہے، اور یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس کی وہمی نوعیت کی وجہ سے اس کا عقیدہ بے کار ہوا جاتا ہے، (مصنف)

۲؎ لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جیمس سے قبل اور بعد کے اکثر فلاسفہ اور کانٹ کی طرح نطشے اس خیال میں ہیوم سے متفق ہے کہ یہ "فساد" ذروی (ATOMIC) "تمثالات" یا "تصورات" کے سلسلے سے مرکب ہے، نہ کہ ایک مسلسل تغیر سے، لہذا وہ یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ چونکہ مسئلۂ علم ترکیب کا نہیں، بلکہ تحلیل کا مسئلہ ہے، اور یہ کہ بحیثیت مسلسل اس کی ان گنت طریقوں سے تحلیل کی جا سکتی ہے، لہذا اس فساد میں نظام و ترتیب پیدا کرنے کا ہر طریقہ لازماً من گھڑت لہذا کاذب ہوگا، بہ شرطیکہ ہماری مداخلت تکذیب کا باعث ہو، (مصنف)

کیا یہ نتیجہ نکالنا بہتر نہیں کہ ایک "حقیقی" دنیا جس سے ہمیں کوئی تعلق نہیں "کاذب" ہے؟ یہ مسلّم ہے کہ دنیا کی تمام قیمت کا انحصار اسکی اس تاویل پر ہے، جو کیجاتی ہے، "تو پھر کیون نہ ہم اپنے تعصبات کی تردید کے متعلق اپنے خیال کو کلیتہً بدل دین، اور "واقعات" زندگی کے خطرات اور فکر کی جرأتوں کو خوش آمدید کہین، ؟ واقعات کی طرف سے اغماض کرنے یا ان کو بُرا کہنے کی بجائے یہ کیون نہ کہا جائے کہ "مسرت یقین میں نہین، بلکہ عدم یقین........ اور مسلسل خلاقیت میں ملتی" ہے، آیندہ سے اس عاجزانہ جملے کے بجائے کہ یہ محض موضوعی ہے" کیون نہ یہ کہا جائے کہ "یہ سب ہمارا کام ہے، ! ہم کو اس پر فخر ہونا چاہئے" خصوصاً اس وقت جب ہم یہ معلوم کر لین، کہ تجربے کو "موضوعی" یا "معروضی" کہنا بہ ذات خود قیمت کی ایک تصدیق کا نتیجہ ہے، ؟

(۱۶)

ہیوم کے اس انکشاف پر کہ ہم اپنے معطیات حواس پر اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہین، اس آخری تجاوز عن القیمت کے عمل کرنے کی خواہش افادیت صداقت کی اس صورت کا کارنامہ ہے جسکو "انسانیت" کہتے ہین، اور اس حد تک یہ اس خاص اہم طریق فکر کے ارتقا کی آخری کڑی ہے، تاہم تخمین کا بہت آسان اور سادہ تغیر ہے، یہی تغیر فلسفے کو ان مشکلات سے نجات دلاتا ہے، جو صدیوں سے اسکو درپیش تھیں، اور یہی ارتیابیت کے التباس کا خاتمہ کرتا ہے، اس کے لئے ضرورت صرف یہ کہنے کی ہے، کہ "صداقت بلاشبہہ انسانی ہے، علم فعال ہے، اور زندگی اور طاقت کی شرط ہے نہ کہ ارتسامات کا انفعالی وصول، اور ایک اجنبی حقیقت کا عکس، یہ سب ٹھیک ہے، اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟ ہم کو اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے، کیونکہ کیا اس طرح حقیقت ہمارے لئے امید افزا طور پر انسانی نہین بنجاتی، ؟ آؤ ہم اس تعصب کو کہ صداقت کو "دی ہوئی چیز" کا عکس، شبیہ یا نقل ہونا چاہئے، بے کار اور بلاسند کہہ کر مسترد کر دین کیونکہ صداقت نہ ایسی ہے، اور نہ ہو سکتی ہے، اگر ہماری صداقت انسانی ہے،

تو کیون نہ ہم یہ بھی تسلیم کرین، کہ حقیقت بھی ایسی ہی ہے، اسلئے ہماری صداقت اس کے لئے موزون ہوگی ہے،؟ ہم یہ کیون فرض کرین کہ ہمارے تجربات کی دنیا ہماری عقل کے مساوی ہے،؟ اوس کو اور اس اطلاقی "حقیقت کو بعینہ ایک ہی ثابت کرنے کی تکلیف کیون گوارا کی جائے، جو ہمیشہ ہم کو دھوکا دیتی ہے اور ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی ہے،؟ صداقت کو بلا سبب و بلا سند ایسی صورت میں پیش کر کے جس کو کسی انسان کا ذہن حاصل نہیں کر سکتا، ہمین اپنے آپ کو مایوس کن ارتیابیت کے حوالے نہ کرنا چاہئے، بصداقت کو ان تمام اعمال پر حاوی ہونے دو، جو ہماری علمی فعلیتون کے لئے ضروری اور سب سے زیادہ کار آمد ہین، اس سے بھی زیادہ یہ کہ صداقت کو اس کے مقابل کذب سے تمیز کرنے کے لئے جو مختلف آزمائشیں ہم کرتے ہین، ان مین کامیاب ہونے کے لئے اس کے وظیفے اور قیمت کی طرف اشارے کو بھی اسکے معنون کا حصہ بنا لینا چاہئے،

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ نٹشے اس حد تک پہنچ گیا تھا، پھر بھی یہ دکھایا جا چکا ہے، کہ بعض اوقات وہ اس کے بہت قریب آجاتا ہے، صداقت کے دعوون کی آزمایشون کے لئے افادیتِ صداقت کا معیار ان کے نتائج کی کامیابی کی تدوین کرتا ہے، اگر تو وہ اپنے آپ کو اس تعقب سے نجات نہیں دلا سکتا کہ، اگر یہ ہماری فعلیت کا نتیجہ ہے، تو یہ لازماً کاذب ہے،" اسی وجہ سے انسانیت کی طرف میلان کے باوجود اسکو حقیقی معنون میں افادیتِ صداقت کا قائل نہیں کہا جا سکتا، وہ صداقت کی افادی نوعیت کو دریافت تو کر لیتا ہے، لیکن اس کو صادق نہیں، بلکہ کاذب کہتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ فرق اسقدر باریک ہے کہ افادیتِ صداقت کے ناقدین کو دکھائی نہیں دیا، واقعہ یہ ہے، کہ وہ اسکو نہ صرف افادیتِ صداقت کا قائل کہتے ہین، بلکہ اسکے عقیدے کو غلطی سے حقیقی افادیتِ صداقت کی طرف منسوب کرتے ہین، کیون کہ اس طرح وہ یہ ظاہر کر سکتے ہین، کہ افادیتِ صداقت کے قائلین اسقدر غیر محتاط ہین، کہ وہ ہر اس "جھوٹ" کو "سچ" کہدیتے ہین، جو ان کے مفید مطلب ہوتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ افادیتِ صداقت جو ہرا

یہ واضح کرنے کی کوشش کرتی ہے، کہ جب کوئی مزعومہ صداقت یا صداقت کا مفروضہ دعوی ٹھیک ٹھیک کام کرتا ہے، تو کوئی شخص بھی اسکو کاذب کہنے کا حق نہیں رکھتا، یہ معلوم نہیں کیا جاتا کہ ایک ہی بیان ایک ہی شخص کے لئے ایک ہی وقت میں "جھوٹا" اور "سچا" نہیں ہو سکتا، اور یہ کہ ہر شخص کے عقائد اس خاص وقت کے لئے اسکے نزدیک ہمیشہ سچ ہی ہوتے ہین، اس سے جیسا کہ نٹشے نے معلوم کیا، نتیجہ یہ ہے کہ واقعۃً صداقت واحد نہیں جمع ہے، اگرچہ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا، کہ "لہذا صداقت غیر [illegible] نکلتا ہے کہ یہ ابھی معرضِ تکوین میں ہے،

مختصر یہ کہ نٹشے کے نظریۂ علم میں عبوری صورت کی تمام سبق آموزی پائی جاتی ہے، وہ ابھی تک اسی خیال کی گرفت مین ہے، کہ یہ ہمارے علم کی غلطی ہے، کہ وہ اپنے معطیات کی نقل کی کوشش نہیں کرتا، لیکن وہ اپنے اس تعقب کو اسقدر صفائی کیساتھ بیان کرتا ہے، اور اس سے پیدا ہونے والے استبعادات کا اسقدر جرأت کے ساتھ کھوج لگاتا ہے، کہ ہر شخص نہایت آسانی کیساتھ دعوی کر سکتا ہے، کہ وہ اپنے اس مخصوص استدلال کی وجہ سے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے، جو بالکل قیاسی اور قابلِ حمایت ہے، یہی اس تمام بحث کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، اپنے نظریۂ اخلاق کی طرح اپنے نظریۂ علم میں بھی نٹشے بہت زیادہ نکتہ آفرین ہے، اور خود اپنی غلطیون کی وجہ سے آیندہ ترقی کی تحریک کرتا ہے، اس کا کام ہر جگہ نامکمل، اور بعض اوقات خام مگر شاندار اور جاندار ہے، جس زمانے میں اس کے قوائے ذہنی اور ملکاتِ نفسانی مین پختگی پیدا ہو رہی تھی، عین اس وقت جنون کے حملے نے اس کی فلسفیانہ زندگی کا خاتمہ کر دیا،

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈریک نٹشے کی سوانحعمری اور اسکے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہ، مصنفہ پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے، حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت: ۱۲ آنہ ۱ر

منظر الانسان کا مصنف

از

از جناب مولوی عبداللہ صاحب چغتائی،

معارف جون ۱۹۳۶ء میں مکرمی محمد غوث صاحب کا ایک مقالہ بعنوان "کتبخانہ دفتر دیوانی حیدرآباد دکن شائع ہوا تھا، فاضل دوست نے علمی نوادر کا ذکر کرتے ہوئے، نمبر ۳ میں منظر الانسان ترجمۂ وفیات الاعیان کے متعلق لکھتے ہیں:

"۱۴۔ منظر الانسان ترجمۂ وفیات الاعیان، اس کتاب کو یوسف بن احمد السنجری نے ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے، سلطان ناصر الدین ابو الفتح محمود شاہ بن محمد شاہ گجراتی (سنہ ۸۶۳ھ تا سنہ ۹۱۷ھ) کے حکم سے ترجمہ کا آغاز ہوا، سلطان نے ۹۰۰ھ میں حکم صادر کیا، سنہ ۹۰۲ھ میں کام کا آغاز ہوا، اور سنہ ۹۰۴ھ میں ترجمہ مکمل ہو کر بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا، ۲۵۔ دوسری کتابوں سے اس ترجمہ میں مطالبات کا اضافہ کیا گیا، ۹۰۵ھ میں نظر ثانی ہوئی"۔

محمد غوث صاحب نے غالباً یہ تمام اطلاع اس کے مقدمہ سے حاصل کی ہے، جہاں تک میری

لہ شاید کم لوگوں کو علم ہے کہ دفتر دیوانی کے کتب خانے کا قیام علم دوست سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی کا مرہون منت ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو مزید توفیق دے کہ اس سے بھی زیادہ علمی نوادر جمع کریں،

معلومات کو دخل ہے، محض گجرات ہی ایک ایسا خطہ ہے، جہاں کی صحیح تاریخ ہم کو عربی زبان میں ملتی ہے، اور نہ ہندوستان کی سب تاریخی کتب فارسی میں ہیں، میری مراد

ظفر الوالہ بمظفر و آلہ لعبد اللہ محمد بن عمر الشہیر بالحاج الدبیر الآصفی الملکی الغخانی،

سے ہے کاش یہ تاریخ مکمل دستیاب ہو جاتی، تو کم سے کم گجرات کے صحیح حالات، اور وہاں کی بہت سی تاریخی اور اسلامی ثقافت کی مشکلات کو حل کرنے میں مدد ملتی، حاجی دبیر نے خصوصیت سے صحیح واقعات اور ثقافتی پہلو پر بہت زور دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ منظر الانسان کا ذکر بھی ہم کو محض اسی تاریخ گجرات میں مفصل ملتا ہے، جیسا کہ حاجی دبیر کے الفاظ ذیل سے عیاں ہے:-

ابن خلکان کے ترجمہ منظر الانسان کے خطبہ میں جسے مولینا یوسف بن احمد بن محمد بن عثمان نے سلطان محمود بن محمد کے نام پر ترجمہ کیا تھا، کوہ چانپانیر کی فتح کی تاریخ ملتی ہے، جو سنہ ۸۸۹ھ میں ہوئی تھی، اسکا پتہ لفظ "افتح" سے چلتا ہے، اور خطبہ میں اس کے تذکرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تالیف (ترجمہ) اسی سنہ میں ہوئی، ترجمہ کی خوبی دونوں زبانوں میں مترجم رحمۃ اللہ علیہ کی مہارت اور ان کے کمال پر دونوں فریق کی شہادت کا ثبوت ہے، سید عثمان بلا واسطہ مولینا برہان الدین قطب عالم کے خلفائے کبار میں تھے، اور ان کی جانب سے ان کو شمع برہانی کا لقب ملا تھا، انہی نے قریہ عثمان پور آباد کیا تھا؛ اور وہیں سکونت اختیار کی تھی، ان کا مرقد بھی وہیں ہے، اس قریہ اور حصار احمد آباد کے درمیان دریائے ساہیر ہے، یہ دریا اس کے شمال مغرب کے درمیان ہے، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمود بن محمد ان کا مرید تھا، اور یہ ارادت ان کے ساتھ اس کے اعتقاد اور حسن ظن کا نتیجہ تھی، اور کبھی ان سے وہ (علم؟) حاصل بھی کرتا تھا، اور اکثر ان کے پاس آیا جایا

کرتا تھا، اور سلطان اور اس کے اسلاف کی جانب سے ان کے، ان کے اہل و عیال، ان کے خاندان اور ان کے اتباع کے بڑے بڑے وظائف مقرر تھے، اور سلطان کی اکثر کتابیں ان کے قبضہ میں اور ان کے مدرسہ میں تھیں، ان کی وفات جمادی الاول ۹۶۳ھ میں ہوئی، خدا ہم کو ان سے فائدہ پہنچائے"[1]

محمود بیگڑہ نے چانپانیر کو ۸۸۹ھ میں فتح کیا تھا، اور اسی فتح کی یادگار میں اس نے ابن خلکان کے ترجمہ کا حکم دیا، جیسا کہ مقدمہ کے الفاظ سے ظاہر ہے، اور اس فتح کی مزید تصدیق اس سے ہوتی ہے، کہ محمود بیگڑہ نے چانپانیر کا نام محمد آباد رکھا، اور وہاں قلعہ تعمیر کرکے اس کے دو دروازوں ہالول اور گودرہ پر ذیل کا کتبہ جلی خط نسخ میں کندہ کرا کے لگایا،

"الواثق باللہ المنان ناصر الدنیا والدین ابو الفتح محمود شاہ بن محمد شاہ بن
احمد شاہ بن محمد شاہ بن مظفر شاہ السلطان خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و سلطنتہ
وافاض علی العالمین برہ واحسانہ یوم الاحد فی ثانی شہر ذی القعدہ
سنہ تسع وثمانین وثمانمائۃ، کتبہ شیخ احمد بن محمد السلطانی"[2]

افسوس کہ قلعہ محمد آباد اور بیرون قلعہ کی اسلامی عمارتوں کے تمام کتبات ضائع ہو چکے ہیں، ورنہ ان سے محمد آباد کے حالات پر خاصی روشنی پڑتی، ہالول نامی گاؤں میں ایک قدیم شکستہ مسجد کا ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے، جو ۹۳۰ھ مظفر ثانی کے زمانہ کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چانپانیر کو چھوڑ دینے کے بعد بھی وہاں آبادی رہی،

سید عثمان سے محمود بیگڑہ کو بہت عقیدت تھی، اس کا ثبوت ان کے مزار اور مسجد کی پرشکوہ

[1] عربی تاریخ گجرات ص ۳۲ یہ کتاب سر ڈینین راس نے ۱۹۲۱ء میں نہایت آب و تاب سے تین جلدوں میں شائع کرکے اہل علم پر بہت بڑا احسان کیا ہے، [2] فہرست کتبات ادارہ معارف اسلامیہ،

عمارتوں سے ملتا ہے، جو آج سید عثمان کے خطاب شمع برہانی کے نام سے مشہور ہیں، اور سابرمتی کے مغربی کنارے پر مرجع خاص و عام ہیں، اگر اس مسجد کا کتبہ گم نہ ہوگیا ہوتا، تو اس پر بھی روشنی پڑ سکتی تھی یہ عمارتیں کب اور کس نے بنوائیں، اس مزار پر اب بھی بے شمار عقیدت مند مرد و عورتیں نظر آتی ہیں، سلطان محمود ثالث گجراتی (۹۴۳ھ-۹۶۱ھ) کے عہد میں سید عثمان کے خاندان کے ایک اور فرد سید اکبر اعظم بن سید آدم عالم کا نام ملتا ہے، جو کبر سنی میں بھی دینی امور کی تحقیق و تدقیق میں ہمہ تن مشغول تھے، ان سے سلطان محمود کو بے حد عقیدت تھی،[1]

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ گجرات ہی ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں اب بھی ابتدائی اسلامی فنی اور ادبی آثار ملتے ہیں، کیونکہ مسلمان ابتدا میں اسی کے گرد و نواح کے بری اور بحری راستوں سے آئے تھے، اصل احمد آباد کی بنا و تعمیر ابتدائی نویں صدی ہجری ہے، مگر وہاں ۲۴ ربیع الاول ۴۴۵ھ کا مسجد کا ایک کتبہ ملتا ہے، جو محمود غزنوی کے چند ہی سال بعد کا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ مسلمان یہاں اسی زمانہ سے آباد تھے، اگرچہ کسی خاص بادشاہ کے تحت میں نہ تھے، متن میں کتبہ کی عبارت یہ ہے،

"ھذا المسجد فی الرابع والعشرین من ربیع الاول وسنۃ خمس
اربعین واربعمائۃ"[2]

متذکرہ بالا تحریر حاجی دبیر اور دیگر شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ گجرات میں بے شمار اسلامی کتب خانے تھے، بعض تحریروں سے بعض اہم مسودات کے نام بھی ملتے ہیں، جو آج عنقا ہیں، اگر گجرات کے اس اسلامی ادبی تاریخی پہلو پر بالاستیعاب لکھا جائے، تو بہت سے معلومات میں اضافہ ہوگا،[3]

[1] یہاں مطبوعہ تاریخ مرآت سکندری کچھ غلط ہے، ص ۲۹۶ بمبئی ۱۳۰۸ھ قلمی نسخہ، ترجمہ انگریزی فضل اللہ ص ۲۴۰،
[2] فہرست کتبات ادارہ معارف اسلامیہ لاہور ۱۹۳۶ء نمبر ۹، اسی کتبہ کے اطراف میں کندہ ہے،
"ایں تاریخ قدیم است یافتہ شد از بنیاد ایں مسجد"
[3] ہمارے مکرم دوست جناب محمد ابراہیم صاحب پروفیسر گجرات کالج احمد آباد "اسلامی علوم کی ترویج و ترقی گجرات میں" پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں،

تلخیص و تبصرہ

روس کا آیندہ دستور حکومت

۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو روس کا جدید دستور حکومت نافذ ہونے والا ہے، اس پر ایک مضمون مسٹر لوئی فشر (Louis Fischer) کے قلم سے روزنامہ ایڈوانس مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے، جسکا خلاصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں :-

جدید دستور سویٹ حکومت کا تیسرا دستور ہے، پہلا دس جولائی ۱۹۱۸ء کو نافذ کیا گیا تھا، اور دوسرا ۳۱ جنوری ۱۹۲۴ء کو، پہلے اور دوسرے دستوروں میں صرف حکومت کا ہاتھ مضبوط کیا گیا تھا، شہریوں کے حقوق کی تصریح پیش نظر نہ تھی، اسکی وجہ یہ تھی کہ خانہ جنگی کی یاد ابھی تازہ تھی، اور گھر کے دشمنوں کی بیخ کنی پوری طرح نہیں ہو چکی تھی، اسلئے آمریت (ڈکٹیٹرشپ) کی شدت اور مطلق العنانی ناگزیر تھی، حکومت نام کے لئے اشتراکی تھی، سرمایہ داری کی طرف سے مقاومت اور قوت کا اظہار ہو رہا تھا، نصف تجارت، ملک کی خمس صنعت وحرفت، اور تمام زراعت غیر سرکاری ہاتھوں میں تھی، ان حالات میں حکومت تمام باشندوں کے لئے روزگار کی ضمانت نہیں دے سکتی تھی، وہ اسوقت تک اپنے گھر کی مالک نہ تھی، اسی وجہ سے ۱۹۲۴ء میں بھی دستور کی بنیاد شہریوں کے حقوق کے بجائے حکومت کی قوت پر رکھی گئی،

تمام جدید دستور میں جو حقوق شہریوں کو دیے گئے ہیں، ان میں سے بہتیرے انھیں پہلے سے عملاً حاصل تھے، مثلاً یہ دستور ملک کے تمام باشندوں کے لئے روزگار، اوقات فرصت، اور بے معاوضہ تعلیم کی ضمانت کرتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ سویٹ حکومت میں اسوقت بھی بے روزگاری نہیں ہے، حکومت کی طرف

سے ہر باشندہ کو کام ملتا ہے، ہر مزدور کو قانونی طور پر کم از کم دو ہفتے کی تعطیل بامعاوضہ ملتی ہے، اور اکثر یہ مدت بڑھ بھی جاتی ہے، کام کی مدت عموماً سات گھنٹے ہے، امید کی جاتی ہے کہ آیندہ اس میں کچھ اور تخفیف ہو جائے گی، جبری تعلیم دوسری قوموں نے بھی اختیار کر لی ہے، اس باب میں روس کی مثال کوئی استثنائی مثال نہیں ہے، لیکن کسی دوسرے ملک میں بالغوں کی اتنی کثیر تعداد اسکول نہیں جاتی، روس میں ایسے کارخانے بھی ہیں جن میں ساٹھ سے نوے فی صدی تک کام کرنے والے مفت تعلیم حاصل کرتے ہیں، لہذا جہانتک روزگار، اوقات فرصت اور تعلیم کا تعلق ہے، جدید دستور میں موجودہ صورتِ حال کو صرف قانونی شکل دیدی گئی ہے،

لیکن اس دستور میں چند ایسے حقوق بھی دیئے گئے ہیں، جو پہلے ممنوع تھے، جب کہ آمریت سرمایہ داری سے برسر پیکار تھی، مثلاً تقریر کی آزادی، پریس کی آزادی، اجتماع اور جلسوں کی آزادی، جلوس اور مظاہروں کی آزادی، دستور کی دفعہ (۱۲۷) کی رو سے سویٹ روس کا کوئی شہری عدالت کے فیصلہ یا وکیلِ سرکار (Prosecuting attorney) کی منظوری کے بغیر گرفتار نہیں کیا جاسکتا، اور دفعہ (۱۲۸) کی رو سے نہ تو کسی شہری کے گھر میں کوئی دوسرا داخل ہو سکتا ہے، اور نہ اسکے خطوط کھولے جاسکتے ہیں، یہ وہ اہم حقوق ہیں جو ۱۹۲۴ء کے دستور میں عطا نہیں کئے گئے تھے کیونکہ اسوقت ملکی حالات کے اقتضاء سے آمریت کے اختیارات غیر محدود رکھے گئے تھے،

جدید دستور میں وکیل سرکار سویٹ حکومت کا سب سے زیادہ طاقتور عہدہ دار ہے، اس کا تقرر مجلس عالیہ (Supreme Council) یعنی ملکی پارلیمنٹ کی طرف سے سات سال کے لئے ہوگا، حالانکہ حکومت کے تمام دوسرے ارکان صرف چار سال کے لئے مقرر کئے جائیں گے، اسکا خاص کام شخصی حقوق کا تحفظ ہوگا، حکومت اگر کسی شخص کو گرفتار کرنا یا کسی مکان کی تلاشی لینا چاہے، تو اسے وکیلِ سرکار یا عدالت سے باضابطہ اجازت حاصل کرنا پڑیگی، وکیل سرکار حکومت کی جس کارروائی کو نامناسب خیال کرے، مسترد کر سکتا ہے،

یہ دستور سویٹ عدالتوں کو ایک نئی اہمیت اور نئی آزادی عطا کرتا ہے، حال میں سویٹ روس کے خاص وکیل سرکار وشنسکی (A. Vishinsky) کا ایک مضمون "سویٹ عدالتوں اور سویٹ" کے عنوان سے رسالہ بولشیوک میں شائع ہوا تھا، جس میں اس نے بیان کیا تھا، کہ سویٹ عدالتوں کے اولین اصول یہ ہوں گے:۔ کھلی ہوئی عدالتوں میں مقدمات کی سماعت، بحث کی آزادی، ملزم کے حقوق کی ضمانت، مقدمہ کے تمام فریقوں میں مساوات، خواہ حکومت بھی ان میں سے ایک فریق ہو، اور مدعا علیہ کے وکیلوں کے لیے پیروی کی پوری آزادی، یہ مسلک سویٹ روس میں ایک نئی چیز ہے، یہ اُس جمہوریت کا ایک جزو ہے، جسے نیا دستور جاری کر رہا ہے،

جدید دستور سویٹ کانگریس کے اجلاس سے جو ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو ماسکو میں منعقد ہوگا، نافذ کر دیا جائے گا، وہ تاریخ سویٹ شہریوں کے ملکی حقوق کے لئے ایک نئے دور کا افتتاح کرے گی، سویٹ روس کے باشندوں کو ابتداء سے بعض نہایت اہم حقوق حاصل رہے ہیں، مثلاً معاشی استحصال (Economic exploitation) کی غیر موجودگی، عورتوں اور مردوں کی مساوات، اور عورتوں کے لیے مخصوص مراعات، قومی اقلیتوں کی سیاسی عدم قابلیت کا ازالہ، سابق ادنیٰ طبقوں کی جانبداری جکی وجہ سے وہ سیاسیات، اقتصادی نظم و نسق، اور سائنس وغیرہ کے بلند ترین مقامات پر پہنچ گئے، حکومت کی طرف سے صحت عامہ کی نگہداشت، مختلف وسائل، مثلاً مخصوص تحقیقاتی کمیٹیاں پریس وغیرہ جن کی مدد سے کوئی شہری سرکاری کارروائیوں کے خلاف احتجاج کر کے انصاف حاصل کر سکتا تھا، وغیرہ وغیرہ، تاہم ملکی حقوق کے بغیر یہ آزادی نامکمل تھی، اب یہ ملکی حقوق سب کو عطا کر دئے گئے ہیں جنہیں اہل کلیسا، زار کے عہد کے افسر اور بالشیوزم کے سابق دشمن بھی شامل ہیں،

جدید جمہوریت کی بنیادی شے دو ایوانوں کی ایک پارلیمنٹ یا مجلس عالیہ ہے، جو حکومت کے تمام اختیارات کا سرچشمہ ہے، ایوان زیریں کے ارکان چار سال کے لئے رائے عامہ سے منتخب کئے جائیں گے،

اور ہر تین لاکھ باشندوں کی طرف سے ایک مندوب ہوگا، ایوان بالا مختلف قومیت کی کونسل ہوگی، اور اس کے ارکان کا انتخاب تناسب کے لحاظ سے مختلف قومی جمہوریتوں اور قومی خودمختار ریاستوں کی طرف سے ہوگا، تاکہ روس کی متحدہ سویٹ جمہوریتوں کے نسلی حقوق کا تحفظ ہوسکے، تمام قوانین کا نفاذ پارلیمنٹ سے ہوگا، اور اسی کی ہدایت سے پارلیمنٹ کے سارے کام ہوں گے، پارلیمنٹ کو اختیار ہوگا، کہ اہم مسائل پر ملک سے رجوع کر کے پوری قوم کی رائے معلوم کرے، مجرموں کو معاف کر دینے کا حق بھی اُسے حاصل ہوگا، پارلیمنٹ کا ممبر قانون کی گرفت سے آزاد ہوگا، صرف پارلیمنٹ یا جب اسکا اجلاس نہ ہوتا ہو، تو، ۳۷ ممبروں کی جماعت اسکی یہ آزادی سلب کر سکتی ہے، کسی مسودہ قانون کے قانون بننے کے لئے ضروری ہے، کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوان اُسے منظور کر لیں، اگر وہ اتفاق نہ کر سکیں، اور کوئی مفاہمت ممکن نہ ہو تو پارلیمنٹ برخاست کر دیجائے گی، اور جدید انتخابات ہوں گے، مجلس وزراء کا انتخاب دونوں ایوانوں کے اتفاق رائے سے ہوگا، اسی طرح وزراء کی علٰحدگی کے لئے بھی دونوں کا اتفاق ضروری ہوگا، اس کے یہ معنی ہیں، کہ پارلیمنٹ جب چاہے، حکومت کو شکست دے سکتی ہے،

"ع ز"

امریکہ میں خودکشی کی رفتار

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ہر نصف گھنٹہ کے اندر کوئی نہ کوئی آدمی خودکشی کر لیتا ہے، تیس برس سے ہر سال بیس ہزار آدمی خودکشی کرتے آئے ہیں، اس کے علاوہ ان لوگوں کی تعداد جنھوں نے خودکشی کی مگر ناکام رہے، سالانہ چالیس ہزار رہی ہے، لیکن تازہ ترین اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے، کہ ۱۹۳۵ء میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد صرف سترہ ہزار تھی، جو پچھلے دس سال کے اعداد کے لحاظ سے سب سے کم تھی، یہ جرم کساد بازاری کے زمانہ میں ہمیشہ ترقی کر جاتا ہے، چنانچہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک خودکشی کرنے والوں کا شمار ۱۹۸۳۶ تھا، ۱۹۳۲ء میں ان کی تعداد ۲۰۹۲۷ تھی، جو ۱۹۳۴ء میں گھٹ کر

۱۸۸۲۸ رہ گئی،

معاشی حالات کی درستی کے بعد سب سے زیادہ جو چیز اس تخفیف کی ذمہ دار قرار دی جاسکتی ہے، وہ ڈاکٹر ہیری وارن (Dr Harry M. warren) صدر "قومی انجمن تحفظ جان" (National Save-a-Life League) کی ذات ہے، موصوف ہر سال چار ہزار خودکشی کا ارادہ رکھنے والوں کی نگہداشت کرتے ہیں، اور تیس سال کے عرصہ میں جب سے انھوں نے یہ انجمن قائم کی ہے، تیس ہزار آدمیوں کو اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھ چکے ہیں، ۱۹۰۶ء کی کساد بازاری کے زمانہ میں خودکشی کی وبا کثرت سے پھیلی ہوئی تھی، اسی زمانہ میں ڈاکٹر وارن کی نظر سے کسی پروفیسر کا مقالہ گذرا جس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ پانچ سال کے اندر دنیا میں دس لاکھ آدمیوں نے خودکشی کرلی ہے، یہ یقین کرکے کہ اکثر صورتوں میں خودکشی کا ارتکاب برمحل مشورہ سے روکا جاسکتا ہے، ڈاکٹر موصوف نے فوراً اپنی لیگ قائم کی، اور گرجاؤں، ہسپتالوں، عدالتوں اور پولیس کی اجازت سے اس بات کا انتظام کیا، کہ جو لوگ خودکشی کا اقدام کرتے ہیں، لیکن کامیاب نہیں ہوتے، ان سے گفتگو کی جاسکے، آج ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اس لیگ کے ممبروں کی تعداد چھ ہزار ہے، اور ڈاکٹر وارن بارہ مددگاروں کی جماعت کیساتھ اس کام میں ہمہ تن مصروف ہیں، جو لوگ نیویارک سے باہر رہتے ہیں، انھیں اقدام کی اطلاع ملتے ہی فوراً خط لکھا جاتا ہے، اور خودکشی کے گناہ اور بے سود ہونے کے متعلق بہت موثر طریقہ سے سمجھایا جاتا ہے، دوسرے لوگ انجمن کی خدمات سے واقف ہونے کے بعد خود ہی بذریعہ ڈاک اس سے مشورہ طلب کرتے ہیں،

بعض خودکشیاں جسمانی یا دماغی امراض کا نتیجہ ہوتی ہیں، اور مناسب علاج سے روکی جاسکتی ہیں، بعض کے روکنے میں قانونی یا مالی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، پچھلے سال لیگ کے کارکنوں نے ۱۲۸۰ ایسے گھروں کے حالات دریافت کئے تھے، جہاں خودکشی کی گئی تھی، اور ۱۹۹۱ ایسے گھروں کے جہاں

ارتکاب کی کوشش ناکام ثابت ہوئی تھی، معلوم ہوا کہ دو سو سے زیادہ گھروں میں روٹی کمانے والوں ہی نے خودکشی کرلی تھی، اور اپنے پیچھے بیواؤں اور یتیم بچوں کو چھوڑا تھا، لیگ کی کوششوں سے امریکہ کے سو بڑے شہروں میں خودکشی کا اوسط ۱۹۳۴ء کے ۱۷/۳ سے اتر کر ۱۹۳۵ء میں ۱۵/۷ فی لاکھ تک آگیا ہے،

امریکہ میں خودکشی کا ارتکاب اکثر جون کے مہینہ میں ہوتا ہے، کیونکہ جون ہی میں مالی مشکلات زیادہ پیش آتی ہیں، مایوسوں کے لئے سب سے زیادہ مایوسی کا دن دوشنبہ کا ہوتا ہے، کیونکہ اتوار کی تعطیل میں انھیں اپنی مشکلات و مصائب پر غور کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے، خودکشی کا وقت عموماً شام کو چھ اور سات کے درمیان ہوتا ہے، جب لوگ تمام دن روزگار کی بے سود تلاش کے بعد انتہائی افسردگی کی حالت میں گھر لوٹتے ہیں، خودکشی کرنے والوں میں مردوں کی تعداد ۳/۴ ہوتی ہے، اس کا خاص سبب کاروبار کی ناکامی ہوتی ہے، لیکن انیس سال کی عمر تک لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں خودکشی کرتی ہیں، اس کا خاص سبب محبت کی ناکامی ہوتی ہے، انتالیس سال کی عمر تک مردوں کی بہ نسبت عورتوں میں خودکشی کرنے والیوں کا اوسط ۱/۲ سے ۱/۳ تک ہے، چالیس سال کے بعد عورتوں کی تعداد صرف ۱/۲ رہ جاتی ہے، شادی شدہ لوگوں میں خودکشی کا اوسط بہ نسبت مجرد لوگوں کے کم ہے، اور مجرد لوگوں میں یہ اوسط ان اشخاص سے کم ہے جن میں زوجین میں سے کوئی ایک مرچکا ہو، یا طلاق کے ذریعہ علحدگی ہوچکی ہو، نوجوانوں میں خودکشی کی وبا زیادہ تر بڑے شہروں میں ہے، پیشہ والوں اور تجارتی طبقوں کا اوسط بہ نسبت مزدوروں کے بہت زیادہ ہے، سپاہیوں اور مجرموں کے اعداد خصوصیت کیساتھ زیادہ ہیں، یہودیوں میں خودکشی کے واقعات شاذ و نادر ہوتے ہیں، رومن کیتھولک میں ہوتے تو ہیں مگر بہت کم،

(ل - ڈ)

"ع ز"

ملک کی خوشحالی پر آفتاب کے داغون کا اثر

گذشتہ جولائی میں ہارورڈ یونیورسٹی، امریکہ کے ہیئت داں ڈاکٹر لورنگ بیل اینڈریوز (Loring Beal Andraws) نے اس خیال کا اظہار کیا ہی کہ کاروبار کا اُتار چڑھاو ممکن ہی آفتاب کے داغون کے سبب سے ہوتا ہو اب سے ۶۵ سال قبل ایک انگریز ماہر اقتصادیات ولیم اسٹینلی جیونس (william Stanley jevons) نے یہ تحقیق شروع کی تھی کہ سیاروں کا ملک کی خوشحالی یا کساد بازاری سے کہانتک تعلق ہی اور اس نے یہ رائے ظاہر کی تھی، کہ کاروبار پر کسی ایسی چیز کا اثر بھی پڑتا ہے جو کرۂ ارض سے خارج اور ماوراء ہوتی ہے، ڈاکٹر اینڈریوز کا نظریہ ولیم جیونس کے قیاس کی تائید کرتا ہی لیکن تمام سائنسدان ڈاکٹر اینڈریوز کی رائے سے متفق نہیں ہیں،

زمین کے بڑے بڑے طوفانون کی طرح یہ داغ آفتاب کی سطح پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی وہ اتنے بڑے ہوتے ہیں، کہ بغیر کسی دوربین کے صرف رنگین عینک کی مدد سے دیکھے جاسکتے ہین، پانچ چھ سال تک انکی تعداد اور طول وعرض میں اضافہ ہوتا جاتا ہی پھر اتنی ہی مدت تک وہ تعداد اور طول وعرض میں گھٹتے جاتے ہین، ڈاکٹر اینڈریوز کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہی کہ جب آفتاب کے داغون کی تعداد بڑھتی ہے، تو ملک کی خوشحالی بھی بڑھتی ہے، اور جب انکی تعداد گھٹنے لگتی ہی تو کساد بازاری کا دور شروع ہوجاتا ہی، ڈاکٹر موصوف لکھتے ہین کہ آخری بار آفتاب کے داغوں کی سب سے بڑی تعداد ۱۹۲۸ء میں ظاہر ہوئی تھی، جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ میں نہایت خوشحالی کا سال تھا، اور سب سے کم تعداد ۱۹۳۳ء میں تھی، جو شدید کساد بازاری کا سال تھا،

ڈاکٹر ہارلن اسٹٹسن (Dr. Harlan Stetson) ہارورڈ یونیورسٹی کو ڈاکٹر اینڈریوز کی رائے سے اتفاق ہے، انھون نے آفتاب کے داغون کے اثر کا تجربہ متعدد

ایسی چیزوں پر کیا ہی جنکو بظاہر ان داغون سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، مثلاً بالدار جانوروں کے اون کی زیادتی اور کمی، دریاؤں اور جھیلوں کی سطح کا اتار چڑھاؤ، درختوں کی نشو ونما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر آفتاب کے داغوں کا اثر نمایاں طور پر پڑتا ہی ان کا خیال ہے کہ ان داغوں کا اثر انسانی کاروبار پر بھی مختلف طریقوں سے پڑسکتا ہے، مثلاً:-

۱- جب داغ زیادہ ہوتے ہیں، تو آفتاب سے گرمی زیادہ حاصل ہوتی ہے، لہذا سمندروں سے بخارات زیادہ اٹھتے ہین، بارش زیادہ ہوتی ہے، اور پیداوار کثرت سے ہوتی ہے، خوشحال کاشتکار اسوقت موٹرین، ریڈیو سٹ اور تعیشات کی چیزین خریدتے ہیں، ملک کی دولت بڑھ جاتی ہے، اور خوشحالی پھیلنے لگتی ہی،

۲- داغون کی کثرت کے زمانہ میں ہوا میں بجلی اور روانات (JONS) کی مقدار زیادہ ہوجاتی ہے، اس سے انسانوں کی صحت پر مفید اثر پڑتا ہی اور ان میں امنگ پیدا ہوتی ہی جب داغ کم ہوتے ہیں، تو ہوا میں بجلی بھی کم پیدا ہوتی ہی، اور صحت پر خراب اثر پڑتا ہے، اس طرح کاروبار پر بھی مختلف اثرات پڑتے رہتے ہیں،

ڈاکٹر کالڈول (Dr. Cald well) نے آفتاب کے داغون اور کاروبار کے سالانہ نقشون کا مقابلہ کرکے معلوم کیا ہی کہ ۱۸۳۲ء کے بعد سے ابتک برابر یہ ہوتا آیا ہے کہ جب زمانہ میں ان داغوں کی تعداد سب سے زیادہ رہی ہی، کاروبار کی حالت بھی بہت اچھی رہی ہے، اور پھر جب وہ کم ہونا شروع ہوئے ہیں تو تین مہینوں کے اندر کساد بازاری کا دور آگیا ہے، ڈاکٹر موصوف لکھتے ہین کہ آفتاب کے داغ اسوقت بڑھ رہے ہیں، اور ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء میں اپنی بڑی سے بڑی تعداد تک پہنچ جائین گے، اگر اس نظریہ مین کوئی اصلیت ہے تو کاروبار تین سال تک اور ترقی کریگا، لہذا ۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء میں کساد بازاری کے لئے تیار ہوجانا چاہیے،

(ل۔ ڈ)
"ع ز"

اخبار علمیہ

ذہنی خلاء

آپ محنت سے کوئی دماغی کام کرتے رہتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے آپ کا دماغ خالی ہوجاتا ہے، آپ تقریر کرتے ہوتے ہیں، اور دفعتہ آپ کو محسوس ہونے لگتا ہے، کہ آپ اپنے خیالات مجتمع نہیں کر سکتے، ان لمحات میں آپ کو یہ خیال ہوتا ہے، کہ آپ کا دماغ جواب دے رہا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف آرام کرنے لگتا ہے، گذشتہ اگست میں پروفیسر آرتھر بلس (Arthur Bills) ماہر نفسیات شکاگو یونیورسٹی نے اپنی یہ تحقیق بیان کی ہے، کہ ہر شخص کو اس "ذہنی خلاء" (Mental blank) کی شکایت ہوتی ہے، اور یہ ایک بالکل فطری چیز ہے، ان کا تجربہ ہے، کہ ایک دماغی کام کرنے والا شخص جو جسمانی طور پر تھکا ہوا نہیں ہے، گھنٹوں بغیر تکان محسوس کئے ہوئے کام کرسکتا ہے، کیونکہ اس کا دماغ اس درمیان میں وقفوں کیساتھ غیر شعوری طور پر آرام کرتا رہتا ہے، دماغ کیلئے آرام کے یہ وقفے ایک منٹ میں تین سے پانچ مرتبہ تک آتے ہیں، یہ کامل ذہنی خلا جب کہ انتہائی کوشش سے بھی خیال کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی، عموماً بہت مختصر ہوتے ہیں یعنی ایک سکنڈ یا اس سے بھی کم، لیکن ایک تھکا ہوا آدمی ایک منٹ میں آٹھ دس بار رکتا ہے، اور یہ وقفے دو تین سکنڈ کے ہوسکتے ہیں، ہر شخص کوئی نہ کوئی فقرہ یا الفاظ ان خلاؤں کو پر کرنے کے لئے عادتاً استعمال کرتا ہے، مثلاً امریکہ کا صدر روز ولٹ (Roosevelt) تقریر کے دوران میں اکثر "میرے دوستو" (My Frien-n-n-ds) بہت کھینچ کر کہا کرتا ہے،

قلب کی حرکت بھی یکساں رفتار کیساتھ جاری نہیں رہتی قلب چند لمحات کے لئے اپنی رفتار کم کرکے چوبیس گھنٹوں میں دس گھنٹے آرام کر لیتا ہے، لیکن دماغ اپنی مصروفیت کے اوقات میں سے اس سے کم وقت چراتا ہے، یہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے لئے غافل ہو کر کام کے اوقات کا ۱/۶ حصہ آرام میں صرف کر دیتا ہے، اگر کوئی شخص روز آٹھ گھنٹے دماغی کام کرتا ہے، تو اس کا دماغ حقیقۃً صرف چھ گھنٹے چالیس منٹ کام کرتا ہے، اور ایک گھنٹہ بیس منٹ آرام کرتا ہے،

اس دماغی عادت کے مطالعہ کے لئے پروفیسر بلس نے اپنے معمل میں ایک عجیب و غریب مشین لگا رکھی ہے، یہ مشین ایک ٹائپ رائٹر کی طرح ہے، جس کے بٹنوں (Keys) پر حروف کے بجائے سرخ سبز نیلے پیلے اور سفید رنگ ہیں، پروفیسر بلس کے معمول جو سب فارغ التحصیل طلبہ ہیں یکے بعد دیگرے تجربہ کے لئے بٹھائے جاتے ہیں مشین کے سامنے ایک فیتہ ہوتا ہے، جو ایک روشن شگاف کے بیچ سے حرکت کرتا رہتا ہے، فیتہ پر یہی پانچ رنگ غیر مرتب طور پر لگے ہوتے ہیں، اور ایک وقت میں صرف ایک ہی رنگ نظر کے سامنے رہتا ہے، بٹن دبانے والے کو معلوم نہیں ہوتا، کہ کونسا رنگ اس کے بعد آنے والا ہے، جونہی وہ کسی رنگ کو دیکھتا ہے، اس رنگ کے بٹن کو دباتا ہے، اور اس کا یہ فعل مشین کے ایک حصے میں درج ہوجاتا ہے، یہ بھی درج ہوجاتا ہے کہ اس میں کتنا وقت صرف ہوا، ساتھ ہی ساتھ فیتہ آگے بڑھتا ہے، اور دوسرا رنگ سامنے آتا ہے، جب معمول کا دماغ خالی ہوتا ہے، تو وہ رنگ کی تمیز نہیں کرسکتا، اور اس کا تامل نقشہ پر جو مشین میں لگا ہوتا ہے درج ہوجاتا ہے،

اٹین پبلک اسکول

اٹین انگلستان کا سب سے بڑا پبلک اسکول ہے، اسے شاہ ہنری ششم نے غریب بچوں کے لئے ۱۴۴۰ء میں قائم کیا تھا، لیکن کچھ دنوں کے بعد اس میں دولت مند لوگوں کے بچے بھی داخل ہونے لگے

اور کئی سو برس سے تو یہ شہزادوں اور طبقہ امراء کے بچوں کے لئے مخصوص ہو گیا ہے، اس کی تعلیم و تربیت کا معیار اسقدر بلند ہے، کہ برطانیہ کا ہر امیر سب سے پہلے اپنے بچوں کو اس میں داخل کرانے کی کوشش کرتا ہے، اور تعلیم شروع ہونے سے برسوں پہلے داخلہ کرا لیتا ہے، امیدواروں کی کثرت کی وجہ سے شاہی خاندان کے بچوں کے لئے بھی یہ احتیاط برتنی پڑتی ہے، چنانچہ ڈیوک آف کنٹ کا بچہ شہزادہ ایڈورڈ جس کی عمر صرف آٹھ مہینے ہے، ابھی حال میں اس کا نام ایٹن کے رجسٹر میں درج کرا دیا گیا ہے، تاکہ آیندہ وہیں تعلیم حاصل کر سکے، شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم کا بھانجا بھی تقریباً دو سال سے ایٹن ہی میں تعلیم پا رہا ہے، داخلہ کے لئے درخواستوں کی کثرت کا یہ حال ہے، کہ اس وقت سے ۱۹۴۵ء تک کے لئے تمام جگہیں پُر ہیں، اب والدین عموماً بچہ کی ولادت کے بعد ہی اس کا نام اسکول کے رجسٹر میں درج کرانے کی کوشش کرتے ہیں، تاہم ایٹن کے طلبہ کی تعداد انگلستان کے دوسرے پبلک اسکولوں کے مقابلے میں زیادہ نہیں، اسوقت صرف ۱۱۲۰ طلبہ ہیں جن میں سے ۱۰۵۰ شہر ایٹن میں رہتے ہیں، اور صرف ۷۰ اسکول اور کالج کے دار الاقامہ میں، ایٹن میں قرون وسطیٰ کا ماحول اب تک نظر آتا ہے اور تبدیلیاں بہت کم دکھائی دیتی ہیں، انگلستان کے اکثر ممتاز ترین سیاست دان اور وزراء نے ایٹن ہی میں تعلیم پائی ہے، بہت کم برطانوی سفراء ایسے ہیں، جو ایٹن کے تعلیم یافتہ نہیں ہیں، اس وقت تک تقریباً چھ ہزار سے زیادہ ممتاز اور شہرہ آفاق مدبرین وہاں کے طالب علم رہ چکے ہیں، گذشتہ صدی میں انگلستان کے پانچ وزیر اعظم ایٹن ہی کے تعلیم یافتہ تھے،

صحت کے آسان طریقے

انیسویں صدی کے مشہور امریکن ڈاکٹر اینڈریو ٹیلر اسٹل (Andrew Taylor Still) نے طب کے مسلّم اصولوں سے اختلاف کرکے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر اعصاب و عضلات ریڑھ اور پٹھوں

کی مالش، اور اسی قسم کے دوسرے طریقوں سے قوت پہنچائی جائے، تو جسم خود بخود صحت حاصل کر لیگا، اور دوا کی ضرورت باقی نہ رہے گی، اس دعوے کے ثبوت میں اُس نے اوسٹیوپیتھی (OSTEOPATH) یعنی تشریح العظام کا ایک مستقل فن ہی قائم کر دیا جسکی کامیابی روز بروز زیادہ نمایاں ہوتی جاتی ہے، چنانچہ گذشتہ جولائی کے آخری ہفتہ میں امریکن اسٹیوپیتھک ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس جو نیویارک میں ہوا تھا، اس کی روئداد سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسوقت امریکہ میں نو ہزار اوسٹیوپیتھ ڈاکٹر کام کر رہے ہیں، جن کے زیر علاج دس لاکھ مریض ہیں، اس فن کی بنیاد حسب ذیل اصولوں پر ہے:-

۱- جسم اپنی معمولی حالت میں امراض سے اپنا تحفظ خود کر سکتا ہے، اور کرتا رہتا ہے،

۲- مرض اسی وقت قابو پاتا ہے، جب پہلے سے کوئی چیز اس حفاظت کرنے والی مشین کے پُرزے خراب کر دیتی ہے،

۳- لہذا امراض کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس مشین ہی کو درست کر دیا جائے، اور جسم میں امراض کے دفع کرنے کی قوت از سر نو پیدا کر دی جائے،

انہی اصولوں کی بنا پر ایسوسی ایشن مذکور کے سکرٹری ڈاکٹر میک کاگن (R.MC CAN GHAN) نے صحت کے چند آسان قاعدے تجویز کئے ہیں، جو عموماً مفید ثابت ہوں گے، وہ یہ ہیں:-

۱- رات کو آٹھ گھنٹے سوؤ، (۲) روز دو ڈھائی سیر کوئی رقیق چیز پیو، (۳) کھانے میں مختلف اقسام کی چیزیں ہوں، تھوڑی سی بھوک رکھ کے کھاؤ، آہستہ آہستہ اور سکون کیساتھ کھاؤ، اگر سکون کیساتھ کھانے کا وقت میسر نہیں ہے، تو بہتر یہی ہے کہ مطلق نہ کھاؤ، (۴) کھیل کود میں امتیاز اور کمال حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، یہ حوصلہ پیشہ ور لوگوں اور نوجوان کے لئے رہنے دو، (۵) [illegible] زیادہ، (۶) فکر و تردد اور عجلت سے بچتے رہو،

"ع ز"

ادبیات

حقیقتِ دل،

از جناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی ایم اے ال ال بی،

وہ دل کہ جور و جفا پر خوشی سے رقصاں ہے
وہ دل کہ رنج و الم میں بھی شاد و فرحاں ہے

وہ دل کہ تیغِ ستم سے لپٹ کے پیار کرے
وہ دل کہ بحرِ الم کو خوشی سے پار کرے

وہ دل کہ تمکنتِ کوہسار ہے جس میں
وہ دل کہ جوشِ یمِ بے قرار ہے جس میں

وہ دل کہ سیلِ حوادث پہ مسکراتا ہو
وہ دل کہ جنگ کے نعروں پہ جھوم جاتا ہو

وہ دل کہ ظلمتِ زنداں میں بھی درخشاں ہو
وہ دل کہ دار و رسن پر بھی زمزمہ خواں ہو

وہ دل کہاں ہے؟ فقط اہلِ حق کے سینے میں

وہ دل جو قیصر و کسریٰ کے سامنے نہ جھکے
وہ دل جو شوکتِ دنیا کے سامنے نہ جھکے

وہ دل جو سدرہ و طوبیٰ سے بھی بلند رہے
پر آستانۂ حق پر نیاز مند رہے

وہ دل جو خنجرِ قاتل ہے اہرمن کیلئے
وہ دل جو شمع ہے یزداں کی انجمن کیلئے

جو بے قرار ہے ہر دردمند کے غم پر
جو اشکبار رہے ہر ایک چشم پرنم پر

وہ دل کہ شام و سحر ایک آہ ہے گویا
بہارِ عشق کی اک جلوہ گاہ ہے گویا

وہ دل کہ ہے غم و سوز و گداز کی دنیا
سرور و مستی و ذوقِ نیاز کی دنیا

وہ دل کہاں ہے؟ فقط اہلِ حق کے سینے میں

وہ دل کہ جس میں درخشاں ہو آفتابِ وفا
وہ دل کہ جس میں فروزاں ہو ماہتابِ صفا

وہ دل کہ گوہرِ غلطاں سے بھی ہو تاباں تر
وہ دل کہ صبحِ بہاراں سے بھی ہو خنداں تر

خیالِ شاعرِ رنگیں بیاں سے رنگیں تر
تبسمِ لبِ حورِ جناں سے شیریں تر

وہ دل کہ جسمیں محبت کے پھول کھلتے ہیں
وہ دل کہ جس میں بہم سوز و ساز ملتے ہیں

وہ دل کہ شمعِ محبت کا نور ہے جس میں
وہ دل کہ بادۂ حق کا سرور ہے جس میں

وہ دل کہ حضرتِ یزداں بھی جسکو پیار کرے
وفورِ شوق و محبت سے ہمکنار کرے

وہ دل کہاں ہے؟ فقط اہلِ حق کے سینے میں

غزل

جناب مولینا عبدالسلام صاحب ندوی،

پوچھ لو میری آرزو مجھ سے
آخری ہے یہ گفتگو مجھ سے،

کر دے بیخود دکھا کے زلف کی بو
چھین لے آج مجھکو تو مجھ سے،

گم کرو خود کو تب اُسے پاؤ
کہتی ہے اس کی جستجو مجھ سے،

یاد اُس چشمِ مست کی آئی
چھین لو ساغر و سبو مجھ سے،

انکی تصویر بھی ہے انکی شریک
کس مزے کی ہے گفتگو مجھ سے،

میں جو بھٹک جاؤں ڈھونڈ لائے
بڑھ کے کچھ شوقِ جستجو مجھ سے،

رُخِ رنگیں کا ہے گلوں سے خطاب
کون لیتا ہے رنگ و بو مجھ سے،

اُٹھ رہے ہیں بگولے صحرا میں
سیکھنے طرزِ جستجو مجھ سے،

ہیں اشارے یہ موجِ مے کے شمیم
کر بھی لو آج تم وضو مجھ سے،

رنگِ تغزل

از جناب احسان دانش صاحب

وہ میری بزمِ تصور پہ چھائے جاتے ہیں نظر سے چھپتے ہیں دل میں سمائے جاتے ہیں

ترے نثار میری جاں مصورِ فطرت، کس اہتمام سے گلشن سجائے جاتے ہیں

مرے نیاز سے پیدا ہیں ناز کے تیور وہ سر بسر میری ہستی پہ چھائے جاتے ہیں

خدا کی شان وہ آنسو ہیں اور مراد ان جن آنسوؤں سے ستارے بنائے جاتے ہیں

خوشا کہ عاجزیِ عشق کی اداؤں مین غرورِ حسن کے انداز پائے جاتے ہیں

میں اس مقام پہ گم ہون کہ جس جگہ ہر دم مسیح و خضر کو رستے بتائے جاتے ہیں

مری وفا پہ نہ جا حسن کی شکست کو دیکھ تری جفا کے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

وصال و ہجر کے پردے میں رات دن احسان
حیات و موت کے خاکے بنائے جاتے ہیں،

کلیاتِ شبلی اردو

مولینا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کی چہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت :- عہ

"منیجر"

بابُ التقریظ والانتقاد

دی ریل سیواجی (انگریزی)

مرتبہ، مؤلفہ سید تفضل داؤد سعید خان صاحب ایم اے، ال، بی، وکیل سلطان پور، اودھ، ضخامت چھوٹی تقطیع ۲۲۸ صفحے، قیمت:- عہ

سیواجی ان تاریخی انسانون مین ہے، جو ہوتے کچھ ہین اور نظر کچھ اور آتے ہیں، وہ اپنے کارنامون کے لحاظ سے اپنے ہندو مسلمان معاصرون کی نگاہون میں ایک ہوشیار ڈاکو کے سوا کچھ اور نہ تھا، لیکن آج وہ ہندو اہلِ قلم کی ذہنی کاوش، بلکہ اختراع سے ہندو قوم کا ہیرو نظر آتا ہے، اصل یہ ہے کہ موجودہ دور میں مرہٹوں کو اپنی قومیت کی تشکیل کے لئے ایک ہیرو چاہئے تھا، وہ ان کو سیواجی مل گیا، انھون نے اسکو اپنی قلمی سرگرمیوں سے ان اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ بنا دیا، جن کے لئے ان کو ایک ہیرو کی ضرورت تھی، اسکی وطن دوستی اور قومی سرفروشی تقلید کے قابل سمجھی گئی، اسکی جنگی تدبیر اور سیاسی تدبر کو ہنیبال، سکندر، سیزر، اور نپولین کے مدمقابل قرار دیا گیا، اس کے نام سے فوجی، سیاسی، مذہبی، اور علمی ادارے قائم کئے گئے، اس کے مجسمہ کی پرستش کی گئی، اور وہ پوری ہندو قومیت کا سرچشمۂ حیات ٹھہرایا گیا،

مرہٹون نے اسکو شاید اس لئے اپنا ہیرو بنایا کہ جس طرح اس نے مغلیہ حکومت کے عہدِ شباب میں طوائف الملوکی پھیلانے کی کوشش کی، اسی طرح اس کے مقلدین موجودہ دورِ حکومت کے کمالِ عروج کے زمانہ میں انتشار و اختلال پیدا کرنے کی جرأت کرسکین،

مرہٹون اور ہندو مصنفون کی ان خیالی مضمون آرائیون کا نتیجہ یہ ہے، کہ سیواجی کی اصل حقیقت

لوگون کے دلون سے مٹ کر ایک خیالی سیواجی کا مجسمہ تیار ہو گیا ہے، جو دکن کا شہنشاہ اعظم تھا، اور جس کی حکومت کے مرتب دفاتر اور نظم و نسق کے متمدن آداب و قوانین تھے، جو ہندوؤں کو مسلمان بادشاہون کی غلامی سے نکالنے کے لئے پیدا ہوا تھا، اسی گمراہ کن تاریخی قلب حقیقت اور مسخ واقعیت کو روکنے کے لئے ایک نوجوان مؤلف سید تفضل داؤد سعید خان صاحب ایم اے ال ال بی وکیل سلطان پور (اودھ) نے سیواجی کو اصلی حقائق کی روشنی میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، ان کی زیر نظر کتاب "حقیقی سیواجی" گو مختصر ہے، لیکن سیواجی کے اصلی کردار پر نہایت محققانہ تبصرہ ہے، کتاب پانچ ابواب میں منقسم ہے، پہلا باب "بحث" دوسرا "معلومات کے ذرائع" تیسرا "کیا سیواجی ہندو مذہب کا علمبردار تھا" چوتھا "افضل خاں کا قتل"، اور پانچواں "حقیقی سیواجی" پر مشتمل ہے، اس میں تیسرا باب نہایت اہم ہے، اس باب میں مؤلف نے یہ دکھایا ہے کہ سیواجی ہندو مذہب کا علمبردار تھا اور نہ محافظ تھا، اور نہ ہندو قومیت کی نئی زندگی اسکا مقصد تھا، اس نے محض ذاتی اغراض کی خاطر آباد دیہاتوں اور متمول شہرون کے لوٹنے کا پیشہ اختیار کیا، جس میں وہ ہندو مسلمان عیسائی اور پارسی کا امتیاز نہ کرتا تھا، چنانچہ اس نے جب رائے گڈھ میں تاجپوشی کی تقریب ادا کی، تو آٹھ ہزار روپیہ کفارہ اس جرم میں ادا کیا، کہ اس نے گئو ماتا، برہمنون عورتون اور بچون کا خون کیا تھا، لائق مصنف نے اس قسم کے بہت سے دلائل اور شواہد پیش کئے ہیں،

واقعات کے استناد میں مصنف نے یا تو ہندو اور مرہٹی مورخون کا یا یورپین اہل قلم کا اور خصوصاً ایسٹ انڈیا کمپنی اور دوسری یورپین دستاویزون کا حوالہ دیا ہے،

مؤلف نے اس باب کو ایک دلچسپ جملہ پر ختم کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ " ماخذون کے محتاط مطالعہ کے بعد ہمیں قطعی طور پر یقین ہو جائے گا، کہ اسکی (یعنی سیواجی کی) ہندویت کی علمبرداری محض تخیل کی نقش آرائیاں ہیں، جو اسی طرح بے بنیاد اور مضحکہ خیز ہیں جس طرح کہ کوئی آیندہ کا مورخ

اب سے تین صدی بعد یہ ادعا کرے، کہ گاندھی ایک بڑا سپہ سالار تھا جس نے انگریزون کو اپریل اور مئی ۱۹۳۰ء میں ڈنڈی کے قریب چار صف آرا لڑائیوں میں شکست دی، اور انکو ہندوستان سے ہتھیارون کے زور سے نکال باہر کیا"،

لائق مؤلف نے سیواجی کی سرداری، تنظیمی صلاحیت اور بہادری کی تعریف کی ہے، وہ اسکی کفایت شعاری محنت و استقلال کا مداح ہے، اس نے جس دلیری سے اپنے وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھایا، اس کا قائل ہے، وہ تسلیم کرتا ہے، کہ اوس نے عظیم الشان مغلیہ حکومت میں اختلال پیدا کیا، اس کے آگرہ سے فرار ہو جانے کو ایک حیرت انگیز کارروائی بتایا ہے، شایستہ خان کی عظیم الشان فوج پر حملہ آور ہونے کو اس کا ایک دلچسپ کارنامہ سمجھتا ہے، لیکن پھر بھی اس کے سامنے اس کی حیثیت ایک دغاباز رہزن، بے رحم ڈاکو اور سنگدل قاتل سے زیادہ نہیں، یہ نتیجہ ممکن ہے، کہ بعض طبائع پر گران گذرے، لیکن یہ ایسی حقیقت ہے، جو واقعیت سے خالی نہیں خصوصاً مؤلف نے جو مستند معلومات فراہم کئے ہیں، ان کو پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر نہ پہنچنا مشکل ہے،

کتاب شروع سے آخر تک واقعات و تحقیقات کی موشگافی اور دلائل و شواہد کی قطعیت کیساتھ لکھی گئی ہے، امید ہے کہ انگریزی خوان طبقہ میں یہ کتاب شوق اور دلچسپی سے پڑھی جائیگی، بلکہ ایک تاریخی غلط بیانی کو روکنے کے لئے اس کتاب کی اشاعت جتنی بھی زیادہ ہو کم ہے، مؤلف نے سیواجی کے متعلق نہایت عمیق مطالعہ کیا ہے، اگر وہ اسی انداز اور مقدار میں جس میں جادوناتھ سرکار نے اورنگ زیب لکھکر سوانح نگاری کی عجیب وغریب مثال پیش کی ہے سیواجی کی مستقل سوانح عمری لکھنے کی کوشش کریں، تو یہ ان کا شاندار علمی کارنامہ ہوگا،

"ص ع"

چند نئے رسائل و اخبارات

اب نئے دن اس کثرت سے رسائل و اخبار نکلنے لگے ہیں کہ ان پر تبصرہ بھی دشوار ہوگیا ہے، چند مہینے ہوئے گذشتہ ششماہی کے اخبار و رسائل پر ریویو کیا جا چکا ہے، لیکن اس درمیان میں پھر ان کی کافی تعداد جمع ہوگئی، جو درج ذیل ہے:-

ماہانہ رسائل

الرضوان (ماہانہ عربی) مرتبہ محمد عسکری صاحب نقوی تقطیع اوسط حجم ۴۰ صفحات کاغذ سپید کتابت و طباعت بہتر، سالانہ قیمت للعہ بیرون ہندوستان کے لئے صہ، پتہ نمبر ۶ وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ

عربی زبان کے طلبہ کیا اکثر علمار تک میں یہ خامی ہے، کہ وہ عربی لکھنے پر قادر نہیں ہوتے سب سے پہلے ندوۃ العلمار نے ادھر توجہ کی، اور اسکو بڑی حد تک اس میں کامیابی ہوئی، لیکن اسکی کامیابی ایک خاص حلقہ تک محدود تھی، اس لئے ندوہ کے بعض طلبہ نے عربی انشار کا عام مذاق پیدا کرنیکے لئے ایک عربی رسالہ الضیار جاری کیا، جو چند سالوں تک چلنے کے بعد ارباب علم کی ناقدردانی کی وجہ سے عارضی طور سے بند ہوگیا ہے،

مقام مسرت ہے کہ لکھنؤ کی شیعہ جماعت نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا جس کا نتیجہ الرضوان کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، یہ ایک عربی رسالہ ہے جو محمد عسکری صاحب نقوی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے، اور ظاہری اور معنوی دونوں خوبیوں کے اعتبار سے قدر افزائی کا مستحق ہے، اکثر مضامین مفید اور سنجیدہ ہیں، نظم کا حصہ بھی بہتر ہے، زبان میں خاصی عربیت ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اسکو مذہبی رنگ نہ دیا جائے، جس کی جھلک بیشتر مضامین میں نظر آتی ہے، بلکہ خالص علمی و ادبی رکھا جائے، تاکہ ہر جماعت کے ارباب ذوق اس سے یکساں فائدہ اٹھا سکیں، اور اس کا حقیقی منشا زیادہ سے زیادہ

پورا ہوسکے امید ہے، کہ یہ رسالہ عربی زبان کی قابل قدر خدمت انجام دے گا، اور عربی مذاق رکھنے والے اس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے،

معیار، (ماہانہ) مرتبہ قاضی عبدالودود صاحب و آرزو جلیلی صاحب تقطیع اوسط سال کے چھ پرچوں کا حجم ۱۱۲ صفحات اور چھ کا ۲۴۴ ہوا کرے گا، کاغذ سپید، کتابت و طباعت اوسط قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ۸ر پتہ:- مراد پور بانکی پور پٹنہ،

انجمن ترقی اورنگ آباد عملاً ایک مقامی انجمن تھی، لیکن اب کچھ دنوں سے اس کا حلقہ اثر وسیع ہونے لگا ہے اور بعض بعض مقامات پر اسکی شاخیں قائم ہونے لگی ہیں، غالباً حال ہی میں پٹنہ میں بھی اسکی ایک شاخ قائم ہوئی ہے، معیار اسی شاخ کا پھل ہے، معیار ہندوستانی زبان کا ایک معیاری رسالہ ہے، اس کا دائرۂ عمل نہایت وسیع ہے، ہندوستانی زبان کی قلمی خدمت کا کوئی پہلو اس کے دائرۂ عمل سے باہر نہیں ہے، اسکی جامعیت اور ہمہ گیری کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ اس نے پندرہ عنوانات قائم کئے ہیں جنمیں زبان و ادب کی مختلف اصناف پر ادبی و تحقیقی اور تاریخی مضامین ہوا کرینگے، ان میں سے بعض عنوانوں کے مضامین کا بالالتزام ہونا ضروری نہیں ہے، ابتک جو نمبر شائع ہو چکے ہیں ان میں بڑی حد تک اس کی پابندی نظر آتی ہے، لیکن شاید اتنے مختلف النوع خدمات کا بار ایک رسالہ کے بس سے باہر ہو، بہر حال ابتک یہ رسالہ اپنے معیار پر قائم ہے، اور زبان و ادب کے متعلق معلومات کا نہایت اچھا ذخیرہ فراہم کرتا ہے، ہم کو امید ہے کہ یہ رسالہ ہندوستانی زبان کی نہایت مفید خدمات انجام دے گا، لیکن اس کے معیار کو دیکھتے ہوئے رسالہ کی ترتیب ظاہری ستھراؤ اور بعض مضامین کی زبان مزید اصلاح و توجہ کی محتاج ہے،

سرشار، (ماہانہ) مرتبہ رشید ذکی صاحب مچھلی شہری تقطیع بڑی، حجم ۷۰ صفحات کاغذ سپید دبیز، کتابت و طباعت صاف، قیمت سالانہ ہے رنی پرچہ ۴ر پتہ:- دفتر سرشار اعظم گڈھ،

اعظم گڈھ کی مردم خیز سرزمین اخبارات و رسائل کے لحاظ سے شور واقع ہوئی تھی، لیکن ادھر دو ایک برسوں سے اس کا مذاق پیدا ہو چلا ہے، چنانچہ ڈیڑھ دو سال سے ایک ہفتہ وار اخبار "سہیل" کامیابی کیساتھ نکل رہا ہے، حال میں اس کے کارکنوں کے اہتمام میں ایک ماہانہ رسالہ سرشار نکلا ہے، جو ادبی رسائل کی طرح اپنے اندر عام دلچسپی کا کافی سامان رکھتا ہے، ہم کو امید ہے کہ وہ مشرقی اضلاع مین مقبول ہوگا،

طور، (ماہانہ) مرتبہ محمد موسیٰ خان صاحب کلیم، تقطیع اوسط، حجم ۶۴ صفحات، کاغذ، کتابت، طباعت معمولی، قیمت ۳؍ فی پرچہ ۵؍، دفتر طور، ڈیرہ اسمٰعیل خان، صوبہ سرحد،

یہ رسالہ کئی مہینوں سے صوبہ سرحد کی سرزمین سے نکل رہا ہے، اور اوسط درجہ کے علمی، ادبی، تاریخی اور تنقیدی ہر قسم کے مضامین پیش کرتا ہے، ہندوستانی تعلیم پر جو سلسلۂ مضامین نکل رہا ہے، وہ خصوصیت کیساتھ مفید ہے، ابھی مضامین کے معیار کو ذرا اور بلند کرنے کی ضرورت ہے، بہرحال صوبہ سرحد جیسے دور دراز مقام میں ہندوستانی زبان کی یہ خدمت بھی لائق ستایش ہے، امید ہے کہ طور صوبہ سرحد میں علم وادب کی روشنی پھیلانے مین کامیاب ہوگا،

القمر (دہلی ماہانہ) مرتبہ عبد الحلیم صاحب جنید دہلوی، حجم ۳۲ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت: سالانہ عہ، پتہ: القمر دریبہ کلان دہلی،

قمر حال ہی میں افق دہلی سے طلوع ہوا ہے، اس کا مقصد اسلام کی صحیح تعلیم پیش کرنا، اور انکی روشنی میں خیالات و جذبات کو منور کرنا وغیرہ ہے، اس رسالہ کے بیان کے مطابق اسکو مقدس علما، اور مشاہیر اہل قلم کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، لیکن پہلے نمبر میں جو گویا نمونے کا پرچہ ہے، زیورات کے استعمال کے متعلق ایک مختصر فتویٰ کے علاوہ کسی مشہور عالم اور اہل قلم کی سرپرستی کا کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا، مضامین بہت معمولی درجے کے ہین،

نظام جوبلی میگزین، (ماہانہ) مرتبہ حسین بن خواجہ حسن نظامی صاحب نظامی، تقطیع اوسط، حجم ۴۰ صفحات، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ ۳؍ فی پرچہ ۴؍، مقام اشاعت درگاہ حضرت نظام الدین اولیا، دہلی،

یہ رسالہ مارچ ۳۶ء سے خواجہ حسن نظامی کے فرزند حسین صاحب نظامی کی ادارت میں نکلتا ہے، خواجہ صاحب کی زیر سرپرستی نکلنے والے رسائل کی طرح اس کا بھی رنگ ہے، عام دلچسپی کے لئے مضامین اچھے ہوتے ہین، لیکن انکو نام سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی،

طبی

معین الشفاء، (ماہانہ) مرتبہ حکیم سید ظفریاب علی صاحب و حکیم رشید احمد صاحب ندوی، تقطیع چھوٹی، حجم ۴۰ صفحے، کاغذ نہایت معمولی، کتابت و طباعت اوسط، قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۲؍، پتہ دفتر رسالہ معین الشفاء کشمیری بازار لاہور،

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ایک طبی رسالہ ہے، جو حال ہی میں لاہور سے نکلا ہے، لیکن اسکے دو ہی ایک نمبروں کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ بہت جلد طبی رسائل میں ایک ممتاز درجہ حاصل کرے گا، بیشتر مضامین مفید اور علمی ہین، تاریخی مضامین بھی پُر از معلومات ہیں،

چشمۂ حیات (ماہانہ) مرتبہ حاجی نور محمد صاحب دہلوی، تقطیع بڑی، حجم ۴۰ صفحات، کاغذ نہایت معمولی، کتابت و طباعت اوسط، سالانہ قیمت ۱۲؍، پتہ ہمدم یونانی دواخانہ دہلی،

یہ رسالہ درحقیقت یونانی دواخانہ کی ادویہ کا اشتہار ہے، جس میں طبی مضامین کا اضافہ کرکے طبی رسالہ بنادیا گیا ہے، لیکن اس سے اس رسالہ کی افادیت زائل نہیں ہوتی، کیونکہ طب و صحت کے متعلق بھی مفید مضامین ہوتے ہین،

سہ روزہ اخبارات

انصاری، (سہ روزہ) مرتبہ ہلال احمد صاحب زبیری، تقطیع $\frac{۲۶×۲۰}{۲}$ ضخامت دس صفحات، کاغذ سپید و دبیز، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ صہ، ششماہی ۵؍ بیرون ہندوستان

کے لئے، سالانہ ہے ششماہی للعہ، پتہ منیجر انصاری بلیماران دہلی،

یہ ایک سہ روزہ اخبار ہے، جو ڈاکٹر انصاری مرحوم کی یادگار مین جاری کیا گیا ہے، ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ایسی جلیل القدر ہستی تھی، کہ ان کی یادگار میں جو کچھ بھی کیا جائے کم ہے، یہ مسلمانوں کی ناقدر شناسی بلکہ بدبختی ہے، کہ وہ اپنے محسنوں کی یادگار قائم کرنا ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ اس کارِ خیر میں عملی مدد سے بھی گریز کرتے ہین، حکیم اجمل خان اور مولینا محمد علی مرحوم کی یادگار میں اجمل کے سوا آجتک کوئی اچھا اخبار نہ نکل سکا، اور جو نکلے بھی وہ بھی قوم کے تغافل کی نذر ہو گئے،

اس پہلو کے قطع نظر بھی مسلمانون میں ایسے اخبارات کی بڑی کمی ہے، جو کوئی بلند نصب العین اور اپنا کوئی خاص مسلک رکھتے ہون، جس پر زمانہ کے نشیب و فراز اور مخالف حالات کا اثر نہ پڑتا ہو، ایسی حالت میں کسی معقول اور سنجیدہ اخبار کا نکلنا بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے،

زبیری صاحب نے "انصاری" کو جاری کرکے ایک بڑی قومی ضرورت کو پورا کیا ہے، اس کا مسلک اور اس کے مقاصد اس کے انتخاب سے ظاہر ہین، سیاسیات میں اسکی وہی روش ہو گی، جس پر ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اپنی جان عزیز قربان کی، خوشی کا مقام ہے کہ ملک و قوم کی خدمت کے ساتھ ساتھ مذہب و ملت کی خدمت گذاری بھی اسکے نصب العین مین داخل ہے، اور ہم کو سیاسی مضامین کے دوش بدوش مفید مذہبی مضامین بھی نظر آتے ہین،

عام اخباری خبرون اور سیاسی احوال و کوائف کے علاوہ انصاری اپنے قارئین کے لئے علمی، مذہبی، اقتصادی اور سیاسی ہر قسم کے مفید اور پر از معلومات مضامین فراہم کرتا ہے، ہم کو امید ہے کہ "انصاری" زبیری صاحب کے لائق اور تجربہ کار ہاتھوں میں ملک و ملت کی بیش از بیش خدمت انجام دے گا، اور مسلمان عملی حوصلہ افزائی کا ثبوت دیکر اسے روزانہ بنا دین گے،

ہفتہ وار اخبارات

استقلال (ہفتہ وار) مرتبہ مولوی سلطان الحق صاحب قاسمی و مولوی وحید الدین

صاحب قاسمی، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ حجم ۸ صفحات کاغذ سپید، کتابت وطباعت اچھی، قیمت سالانہ سے ر، ششماہی عار، طلبہ کے لئے سالانہ و ششماہی عہ اور عہ، پتہ دفتر استقلال دیوبند ضلع سہارنپور یوپی،

یہ اخبار تقریباً ایک سال سے دیوبند سے نکل رہا ہے، ابنائے دیوبند کی ترجمانی اس کا مقصد ہے، چونکہ وہ ہندوستان کی ایک علمی و مذہبی جماعت کا ترجمان ہے، اس لئے علمی پہلو غالب ہے، اور اس مین علمی و مذہبی معلومات کا کافی ذخیرہ ہوتا ہے، اور ان مباحث پر التزام کے ساتھ مفید اور پر از معلومات مضامین نکلتے ہین، عام معلومات کے لئے ہفتہ بھر کی خبرون کا خلاصہ اور مہمات مسائل پر تبصرہ ہوتا ہے، اس اخبار سے سنجیدہ اخبارات کی صف میں ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

دور جدید (ہفتہ وار) مرتبہ ملک احسن صاحب تقطیع ۲۰×۲۶/۴ حجم ۱۶ صفحات کاغذ سپید، کتابت وطباعت صاف و روشن، قیمت معلوم نہیں، پتہ نمبر ۹۸، کشمیر بلڈنگ میکلوڈ اسٹریٹ لاہور،

یہ اخبار عرصہ سے ملک خدا بخش کی نگرانی میں نکل رہا ہے، ابھی حال میں ریویو کے لئے موصول ہوا ہے، اسوقت اسکی ادارت ملک احسن صاحب کے ہاتھون میں ہے، لاہور کے ہفتہ وار اخبارون میں دور جدید ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس مین مذہبی سیاسی علمی تاریخی ہر قسم کے مفید اور پر از معلومات مضامین ہوتے ہیں، ہفتہ بھر کی اہم خبرون کا خلاصہ اور قابل توجہ واقعات پر تبصرہ ہوتا ہے، ہر صفحہ پر پابندی کیساتھ ایک نظم ہوتی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ اخبار دلچسپ اور مفید ہے،

پیکار (ہفتہ وار) مرتبہ ملک برکت علی صاحب تقطیع ۲۰×۲۶/۸ حجم ۸ صفحات کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ فی پرچہ ار، ماہوار اڈیشن ۲ر، میکلنگ روڈ لاہور،

یہ اخبار تھوڑے دنوں سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس کا خاص مقصد ہندوستانی زبان کی خدمت و اشاعت ہے، اسی لئے اس کے بیشتر مضامین ماہانہ ادبی رسائل کی طرح ادب اور افسانون پر مشتمل ہوتے ہین، ایک آدھ سنجیدہ اور مفید مضمون بھی ہوتا ہے، حوادثِ روزگار کے ماتحت ہفتہ بھر کی اہم خبریں بھی دیجاتی ہین

مجموعی حیثیت سے اخبار دلچسپ ہے،

تاج (ہفتہ وار) مرتبہ نشتر صاحب جالندھری و قربان علی صاحب تقطیع $\frac{۲۲×۱۹}{۴}$ حجم ۱۶ صفحات کاغذ سپید، کتابت وطباعت صاف و روشن، قیمت سالانہ ؎ ششماہی ۴؍ فی پرچہ ار

پتہ :- دفتر تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور،

لاہور کی مشہور تاج کمپنی کی جانب سے ایک ماہانہ رسالہ تاج نکلا کرتا تھا، اب اسکو ہفتہ وار کر دیا گیا ہے، اس تغیر کیساتھ اس کے مقاصد میں اتنی وسعت پیدا ہو گئی ہے، کہ ان کا احاطہ دشوار ہے، مثلاً قوم کی مذہبی تمدنی، اقتصادی اصلاح و ترقی، آزادی ملک و ملت، علوم جدیدہ ادب و شعر کا مذاق پیدا کرنا، ہندوستانی زبان کی توسیع واشاعت، فرقۂ نسوان کی ترقی، اسلام کا پیام دنیا کے گوشوں میں پہنچانا وغیرہ ان مقاصد کی مناسبت سے وقتاً فوقتاً مضامین کا رنگ و ذائقہ بدلتا رہتا ہے، خدا ان وسیع ذمہ داریوں کی تکمیل میں اعانت فرمائے،

پاکستان (ہفتہ وار) مرتبہ سید غلام حسین شاہ صاحب کاظمی تقطیع $\frac{۲۲×۱۸}{۲}$ حجم ۱۲ صفحات کاغذ، کتابت، وطباعت معمولی، عام سالانہ قیمت :- صہ ششماہی ؎ پتہ دفتر پاکستان خواجہ بلڈنگ ایبٹ آباد،

صوبہ سرحد اپنی بساط کے موافق ہندوستانی زبان کی خدمت مین کسی صوبہ سے پیچھے نہیں ہے، چنانچہ اس وقت یہان سے کئی رسائل و اخبار نکلتے ہین، چند مہینوں سے ایک نیا ہفتہ وار اخبار پاکستان نکلا ہے جس کا مسلک مذہب کے تحفظ کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت ہے، اس میں ہفتہ بھر کی سیاسی خبریں اور اہم واقعات پر تبصرہ ہوتا ہے، کبھی کبھی عام معلومات کے لئے بعض مستقل مضامین بھی ہوتے ہیں، امید ہے کہ صوبہ سرحد کا یہ نقیب یہاں کے مسلمانون کی مفید خدمت انجام دیگا،

سہیل (ہفتہ وار) مرتبہ مولینا ابو الجلال صاحب ندوی حجم ۸ صفحات تقطیع $\frac{۲۲×۱۸}{۲}$

کاغذ سپید کتابت وطباعت غنیمت قیمت سالانہ مقامی خریداروں کے لئے ہے؍ باہر والوں کے لئے ؏ فی پرچہ ار پتہ :- ۱۲ سیڈن ہام روڈ پارک ٹون مدراس،

ہمارے پرانے رفیق مولانا ابو الجلال صاحب ندوی کئی سال سے مدراس میں مقیم ہین، اور وہان مختلف علمی خدمات انجام دے رہے ہین، حال میں انھون نے ایک ہفتہ وار اخبار سہیل نکالا ہے، مدراس سے وقتاً فوقتاً ہندوستانی زبان کے متعدد اخبارات نکلتے رہتے ہین، اور اب بھی نکل رہے ہیں، مگر سہیل اپنی ظاہری اور باطنی خوبیون کے لحاظ سے ان سب میں بلند ہے، مولانا نہایت پرانے قوم پرست ہین، یہی مسلک ان کے اخبار کا بھی ہے، سیاسی خبرون اور مضامین کے علاوہ سہیل میں بالالتزام اسلامی اور علمی مباحث پر بھی نہایت مفید مقالات ہوتے ہیں، امید ہے کہ یہ اخبار مدراس میں ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام دیگا، اور وہاں کے اخبارات کا معیار بلند کر دے گا، لیکن ہم کو مولینا کے استقلال سے خطرہ ہے کہ یہ بھی اسکا شکار نہ ہو جائے،

سرکار، (ہفتہ وار،) مرتبہ ایس گوپال صاحب، ایم ایس سی، تقطیع $\frac{۲۶×۲۰}{۴}$ حجم ۱۴ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت سالانہ ؎ ششماہی :- ؏

پتہ لانوش روڈ لکھنؤ،

یہ اخبار دو تین مہینون سے لکھنؤ سے نکل رہا ہے، اس کے ابتدائی نمبر ہماری نظر سے نہیں گذرے اس لئے ہم اس کے مقصد کو صحیح طور سے متعین نہیں کر سکتے، لیکن اس میں دیہاتوں اور پسماندہ طبقوں کی اصلاح و ترقی کے لئے بالالتزام مضامین اور افسانے ہوتے ہین، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید دیہات کی اصلاح و ترقی اس کا مقصد ہو، ہفتہ بھر کی اہم خبروں کا خلاصہ بھی ہوتا ہے، عام [illegible] کے لئے ایک آدھ افسانہ بھی نظر آتا ہے،

(ہ)

ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار ٹروتھ (ہفتہ وار) مرتبہ جناب فضل کریم خانصاحب درانی، تقطیع چھوٹی، حجم آٹھ صفحات، کاغذ، ٹائپ اور چھپائی نہایت عمدہ، قیمت سالانہ للعہ، پتہ نمبر ۲۲، ریلوے روڈ، لاہور،

انگریزی کا یہ اسلامی ہفتہ وار اخبار ملک میں اب اس حد تک مشہور ہو چکا ہے، کہ کسی جدید تعارف کی ضرورت نہیں، ڈیڑھ سال سے جناب فضل کریم خاں صاحب درانی کے زیرادارت پابندی کے ساتھ جاری ہے، اور اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے مسلمانوں کے معدودے چند انگریزی اخباروں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ مسلمانون پر جو مظالم غیروں کے ہاتھوں آئے دن ہوتے رہتے ہین، انھیں پوری طرح محسوس کرتا ہے، اور ان کے خلاف احتجاج کرنے میں مطلق تامل نہیں کرتا، حال میں فلسطین کے مظالم پر جو افتتاحیہ اُس نے لکھا ہے، وہ باوجود مختصر ہونے کے اپنی صداقت میں اسقدر بیباک اور تلخ ہے، کہ مولینا محمد علی مرحوم کے بعد اس کی توقع کسی دوسرے قلم سے مشکل سے کی جاسکتی تھی، مسلمانوں کے معاشی اور اقتصادی مسائل پر بھی اس کی رائیں سنجیدہ اور صائب ہوتی ہیں، انگریزی ایسی عمدہ ہوتی ہے کہ مدیر پر اہل زبان ہونے کا شبہہ ہوتا ہی، اخبار بلاشبہہ اس قابل ہو کہ مسلمان اسکی قدردانی میں بخل نہ کرین، (ع ز)

رسالہ الاصلاح ماہوار

دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ (یوپی)

یہ رسالہ قرآنی مطالب ومباحث کے لئے مخصوص ہے، اس میں استاذ امام مولینا حمید الدین فراہیؒ کے قرآنی معارف بالالتزام شائع ہوتے ہیں، مولینا کے تلامذہ جو ان کے اصول پر قرآن مجید میں تدبر کرتے ہیں، انکے مضامین بھی ماہ بماہ اسمیں شائع ہوتے رہتے ہیں، عام ضیافت ذوق کے لئے سنجیدہ علمی وادبی نظمیں اور موقر علمی رسائل کے اقتباسات بھی شائع ہوتے ہین، کتابت، طباعت، کاغذ، عمدہ، صفحات ۴۸، قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ،

مینیجر:- رسالہ الاصلاح

مطبوعات جدیدہ

قادیانی مذہب، مرتبہ پروفیسر حاجی محمد الیاس صاحب برنی ایم اے، استاذ معاشیات جامعہ عثمانیہ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۶۹۶ صفحات، کاغذ سپید، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۳ روپے، پتہ کمال احمد صاحب فاروقی بیت السلام حیدرآباد دکن،

یہ کتاب برنی صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے، بلکہ ان کی پرانی تالیف "قادیانی مذہب" کی جو پہلی مرتبہ ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی تھی، مکمل تر اور شاید آخری شکل ہے، برنی صاحب محض ایک پروفیسر معاشیات نہیں ہین، بلکہ اس سے زیادہ وہ مذہب وملت کا درد رکھنے والے خادم اسلام ہین، اس سلسلہ میں انھوں نے نہایت مفید اور قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں، ادھر چند برسوں سے ان کی دینی حمیت نے انھیں وقت کی ایک اہم ترین ضرورت اور مذہب کی ایک بڑی خدمت یعنی قادیانی مذہب کے احتساب کی طرف متوجہ کر دیا ہے، چنانچہ انھون نے آج سے چار سال پہلے ایک مختصر کتاب "قادیانی مذہب" لکھی جس میں مرزا غلام احمد اور ان کی امت کے اکابر کے قلم سے ان کی اور ان کے مذہب کی تصویر دکھائی تھی، اس کتاب کو اتنا حسنِ قبول حاصل ہوا کہ چار سال کے اندر اس کے چار اڈیشن شائع ہوئے، جن میں سے ہر ایک جامعیت وتکمیل میں پہلے سے بڑھکر تھا، موجودہ چوتھا اڈیشن سب میں جامع تر اور مکمل تر ہے، اسکی جامعیت کا اندازہ کتاب کی ضخامت اور اس کے فصول ومباحث کی کثرت سے ہوسکتا ہے، پوری کتاب میں بیس فصلیں اور چند ضمیمے ہیں، ہر فصل میں بکثرت مباحث ہیں، بعض بعض فصلون کے مباحث کی تعداد سو سے اوپر ہے، پوری کتاب کے مباحث

ایک ہزار سے بھی زیادہ ہین، استیعاب کی یہ شان ہے کہ مرزا غلام احمد کے خاندانی حالات اور انکی پیدایش سے لیکر ان کی وفات تک کا کوئی واقعہ اور قادیانی مذہب کا کوئی رُخ اور کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، عجب نہیں کہ اس کتاب کو دیکھکر قادیانی امت پکار اٹھی ہو، ما لھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصٰھا،

اس کتاب کی تالیف میں برنی صاحب نے قادیانی مذہب کا سارا لٹریچر کھنگھال ڈالا ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ بعض ضروری تشریحات اور حواشی کے علاوہ مصنف نے خود اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ہے، بلکہ خود مرزا صاحب اور قادیانی مذہب کے اکابر کے قلم و زبان سے بانی قادیان اور ان کے مذہب کی تصویر کھینچدی ہے، گویا مصنف نے قادیانیوں ہی کا بنایا ہوا آئینہ لاکر ان کے سامنے کھڑا کر دیا ہے، جس میں ان کے تمام خط و خال صاف نظر آتے ہین، اور بہ یک نظر انکی پوری تاریخ نگاہون کے سامنے آجاتی ہے، جہان خود کچھ لکھنے کی ضرورت پڑی ہے، وہاں بھی تہذیب و متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، جو مناظرانہ تحریرون میں عنقا ہے، اس موضوع پر بلکہ شاید مناظرے کی تاریخ میں اس نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے، یہ طریقہ نہ صرف متین و سنجیدہ، بلکہ سب سے زیادہ موثر اور کامیاب بھی ہے، آج کل بہت سے ناواقف اور سادہ لوح مسلمان بلکہ بعض کوتاہ نظر تعلیم یافتہ تک قادیانی مذہب کی حقیقت سے بے خبر ہین، اور کم از کم انکے تبلیغی ڈھونگ سے متاثر نظر آتے ہین، ایسے لوگون کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، اسکو پڑھنے کے بعد قادیانی مذہب کی حقیقت بالکل آئینہ ہو جاتی ہے، خدا مصنف کو اس عملِ حسنہ کی جزاے خیر دے،

فلسفہ جمال، مرتبہ ریاض الحسن صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۸۶ صفحات، کاغذ سپید خط ٹائپ روشن دجلی، قیمت عمر، پتہ کتابستان نمبر ۱۱، اے سٹی روڈ الہ آباد،

موجودہ علمی ترقیون نے دنیا کی ہرشے کو فنی حیثیت دیدی ہے، حتی کہ "جمالیات" جیسی لطیف

حقیقت بھی جو محض ایک ذوقی اور وجدانی شے ہے، طلسم خانۂ علم میں اسیر ہے، جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، اس میں لائق مصنف نے فلسفۂ جمال کی وضاحت بلکہ تجزیہ و تحلیل کی ہے، اسمیں جمال اپنے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی خط و خال کے حسن سے لیکر مصوری، صنمگری، موسیقی، شاعری وغیرہ تک تمام فنون لطیفہ داخل ہیں، پہلے اس کتاب میں نفس جمال پر بحث ہے، کہ حسن کیا ہے، تخیل سے اس کا کیا تعلق ہے، احساس حسن کے کتنے اجزا ہین، حسن و آرٹ میں کیا تعلق اور ان میں کیا فرق ہے، پھر حسن کے حامل یا اس کے مظہر آرٹسٹ و شاعر کے کیفیات اور جذبات پر گفتگو ہے، کہ وہ باطنی تاثرات سے متاثر یا ملہم ہوتا ہے، اور یہ تاثرات مختلف رنگون میں پھوٹتے ہین، انہی کے ماتحت وہ اپنے تاثرات کو متشکل کرتا ہے، اس طرح گویا حسن کا ظہور ہوتا ہے، پھر آرٹ کے اجزاے ترکیبی ان کے امتزاج اور ہم آہنگی پر بحث ہے، پھر حسن و بدصورتی کا تعلق دکھایا گیا ہے، کہ بیجمالی کے تقابل سے جمال نمایان ہوتا ہے، پھر صاحب فن کی عظمت و بزرگی، اور اس کے کمال پر اظہار خیال ہے، آخر میں آرٹ و اخلاق اور اس کے مختلف پہلوون پر بحث ہے، اور آرٹ و اخلاص پر اس لطیف حکایت کا خاتمہ ہے،

کتاب مجموعی حیثیت سے دلچسپ ہے، جمالیات کی مناسبت سے حسنِ بیان کا خاص اہتمام رکھا گیا ہے، جابجا دلچسپ اشعار کی آمیزش ہے جو تشریح و وضاحت کے لئے لائے گئے ہین، اس سے دلکشی میں اور اضافہ ہو گیا ہے، اور کتاب میں فلسفہ کی خشکی کے بجائے ادب کی تری پیدا ہو گئی ہے، اب یہ اہلِ جمال جانین، کہ اس سے فن کو کہان تک فائدہ پہنچا،

افسانہ نگاری، مصنفہ سید وقار عظیم صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی، حجم ۱۰۶ صفحے کاغذ سپید کتابت و طباعت صاف قیمت عمر، پتہ سرسوتی، پبلشنگ ہاوس الہ آباد،

ہندوستانی زبان میں مختصر افسانہ نگاری کا مذاق روز بروز بڑھتا جاتا ہے، افسانون کی مقبولیت

اتنی عام ہوتی جاتی ہے، کہ بیشتر رسائل اسی "جنس لطیف" سے معمور رہتے ہیں، ہر نوجوان کی پہلی قلمی کوشش کا جولانگاہ افسانون ہی کا میدان ہوتا ہے، لیکن افسانون کی اس مقبولیت اور ارزانی کے باوجود ہندوستانی زبان میں فن افسانہ نگاری پر دوچار مختصر مضامین اور دو ایک ابتدائی تصانیف کے علاوہ کوئی مستقل کتاب نہ تھی، سید وقار عظیم صاحب نے "افسانہ نگاری" لکھ کر ایک حد تک اس کمی کو پوری کر دیا ہے، اس کتاب میں فنی حیثیت سے افسانہ نگاری کے اصول، ضوابط، اس کے اجزا، مثلاً افسانہ کی حقیقت، اس کی سُرخی، اسکی ترتیب، ابتدا و خاتمہ، افسانہ و کردار نگاری، افسانہ و حقیقت، افسانہ و محبت، اور اتحادِ اثر وغیرہ افسانے کے تمام اجزا، اور اس کے لوازم و شرائط پر تفصیلی بحث ہی، یہ کتاب نومشق افسانہ نویسون کے لئے مفید اور لائقِ مطالعہ ہے،

ہماری افسانے، مصنفہ سید وقار عظیم صاحب ایم اے، تقطیع چھوٹی، حجم ۴، ۱ صفحات، کاغذ سپید کتابت و طباعت اچھی قیمت عہ، پتہ سرسوتی پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد،

یہ کتاب گویا پہلی کتاب "افسانہ نگاری" کا تتمہ اور تکملہ ہے، اس مین فنی حیثیت سے پہلی کتاب کے مباحث پر کوئی جدید اضافہ نہیں ہے، بلکہ ابتدا مین افسانہ نگاری کی مختصر تاریخ ہے پھر افسانون کے اقسام مقامی رنگ کے افسانے اصلاحی افسانے، تراجم، رومانی، جاسوسی اور ہیبت ناک افسانے وغیرہ پر بحث ہے، اور جابجا "افسانہ نگاری" مین بتائے ہوئے اصول و ضوابط کی روشنی مین اون کی وضاحت و تشریح کی گئی ہے، آخر مین ہندوستان کے مشاہیر افسانہ نگارون کی خصوصیات اور فنی نقطہ نظر سے ان پر تبصرہ کیا گیا ہے جس سے افسانہ نگاری کے اصول و ضوابط ذہن نشین ہوجاتے ہین، غالباً یہ کتابین مصنف کی پہلی قلمی کوشش کا ثمر ہیں، اس لئے زبان مین خامی اور ناہمواری ہے، جو امید ہو کہ مشق و مہارست سے دور ہوجائیگی،

دار المصنفین کی ادبی کتابین

...ہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر ...دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات ...بیان کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام ...موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ...مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت، للعہ ...مولنا عبد السلام ندوی،

...حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی ...قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت ...تنقید کی گئی ہی، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۵۹۴ ...قیمت:- للعہ

...رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری ...آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ...کے منتخب اشعار اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے ...آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہی، ولی سے ...حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، ...قیمت:- عہ، از مولنا سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم،

...مکاتیب شبلیؔ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستون، ...عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں ...مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ...ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ

...دوم،

...ضخامت ۴۳۰ صفحے، قیمت:- ۱۲ ...دوم، ۲۶۱ ۱۲

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو اور دین بصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہی، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ... ۔

کلیاتِ شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمین درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہے، حجم ۲۷۵ صفحے:

مہر گزشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ ، ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کرین، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)